ماہنامہ
طلوعِ اسلام
قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر
لاہور

فروری 2013ء

نفسِ (ذات) انسانی

قرآن میں ہے کہ: ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (السجدہ 32:8)۔ پھر اسے درست کیا اور اس (انسان) میں (خدائی) توانائی کا شمہ ڈالا۔ اسے نفس یا انسانی ذات کہا جاتا ہے لہٰذا اس کے سمجھنے کے لئے ہمیں انسان اور روح کے معنی سمجھنے ہوں گے۔ علم النفسیات میں انسان کا حیوان سے ارتقاء کی روشنی میں انسان کی منطقی تعریف ''بطور عاقل حیوان'' کے سامنے آتی ہے۔ انسان حیوانیت کے علاوہ ارادہ عقل سے بھی ودیعت کیا گیا ہے۔ جب انسان اس انسانی عقل سے حیوانی جبلتوں، ہیجانات اور عادتوں پر کنٹرول کر کے انتخاب کرتا ہے تو اسی عقل فعال کی بدولت اس کا حیوان سے انسان کی سمت ارتقاء ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر وہ اس عقل فعال سے کام نہیں لیتا تو وہ منطقی طور پر حیوان کے درجہ میں رہتا ہے۔ آدم کو حیوان سے ممتاز کرنے کی حقیقت کے اظہار کا ذکر قرآن سے ہمیں ملتا ہے کہ: وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ 2:31)۔ اور اس نے آدم کو علم الاشیاء عطا کر دیا۔ علم کا پہلا درجہ حواس کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے درجہ میں مدرکات سے تصورات متعین کرنے کا عمل ہوتا ہے۔ یہ حصہ حیوانی نہیں بلکہ انسانی سطح زندگی پر حاصل ہوسکتا ہے۔ اس لئے کہ جہاں تک تصورات اور اسماء کا تعلق ہے تو کوئی تصور ذہن میں نہیں آ سکتا جب تک اس کے لئے لفظ (اسم) موجود نہ ہو اور کوئی لفظ بغیر تصور کے وجود پذیر نہیں ہوسکتا۔ ''روح'' کے معنی توانائی ہوتا ہے۔ اصل توانائی تو یہ ہے کہ آپ خود اپنے ارادے سے ایک چیز کو اختیار کریں۔ یہ بہت بڑی قوت ہے۔ یہاں مجبوری نہیں۔ یہ جو خدائی صفت کا ایک شمہ انسان کو دیا گیا تھا، یہ اس کا اختیار و ارادہ ہے۔ قرآن نے اسے ''نفس'' سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اس کے طبیعی جسم کی پیداوار نہیں ہے، نہ ہی یہ طبیعی جسم سے متعلق قوانین سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔ یہ جو اس کا جسم ہے وہ صرف طبیعی چیز ہے۔ اس کا تعلق اس سے بھی نہیں ہے۔ یہ ان قوانین سے بھی ماوراء ہے۔ یہ فیصلہ کرتا ہے، ارادہ کرتا ہے، انسان کے طبیعی جسم کو عمل کے لئے آمادہ کرتا ہے، تقویت پہنچاتا ہے اور اپنے فیصلے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہ جو انسان کا کوئی کام یا کوئی عمل ہے، اس کی ذمہ داری جس پہ آتی ہے یہ وہ ہے، جسے نفس کہا گیا ہے۔ فیصلہ کرنے والا، ارادہ

کرنے والا۔ پھر یہ وہ ہے جس پر انسان کے عمل کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یہی ہے وہ جسے قرآن نفس کہہ کر پکارتا ہے۔ اس کا ترجمہ نہیں ہوسکتا۔

سوال یہ ہے کہ یہ کیا ہے۔ یہ سوچئے کہ آپ جو کہتے ہیں کہ میں نے یہ کیا ہے' کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ ''میں' کیا ہے جو ہم کہتے ہیں کہ یہ ''میں'' نے کیا ہے ''میں'' اس کا ذمہ دار ہوں۔ اس ''میں'' سے مراد کیا ہے؟ اگر آپ کے ہاتھ نے چوری کر کے کوئی چیز جیب میں ڈال دی ہے تو یہ ہاتھ تو وہ ''میں'' نہیں ہے۔ آپ یہ نہیں کہتے کہ یہ میرے ہاتھ نے کیا ہے' میں نے نہیں کیا۔ جسے آپ کہتے ہیں کہ ''میں'' نے کیا ہے بس وہی نفس (ذات) ہے۔ وہ انسان کا طبیعی پیکر نہیں ہے لیکن یہ اس سے الگ بھی نہیں۔ اس (نفس) نے چوری کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے لئے ہاتھ بڑھایا ہے' ہاتھ نے پکڑا ہے' ہاتھ نے چوری کی ہے' ہاتھ جیب میں ڈالا ہے۔ پاؤں سے بھاگا ہے یہ سب نفس کے فیصلے کو بروئے کار لانے کے ذرائع ہیں۔ ذمہ داری اس پہ عائد ہوتی ہے' جس نے فیصلہ کیا ہے یا وہ ان سے سارا کچھ کرا رہا ہے۔ اس لئے قرآن اسے ذمہ دار قرار دیتا ہے۔

انسانی نفس (ذات) جسم کی موت کے ساتھ نہیں مرتا۔ وہ اپنی ان تمام ذمہ داریوں کی گٹھری لئے ان کے نتائج بھگتنے کے لئے آگے چلا جاتا ہے۔ اگر یہ اعمال اچھے ہیں تو ان کی آسائشوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے' اور اگر برے ہیں تو ان کے اثرات بھگتنے کے لئے۔ یہ مرتا نہیں ہے۔ یہ اس کی خصوصیت ہے۔ حیوانی سطح زندگی تک حیوان کا جسم مرتا ہے تو وہ ختم ہو جاتا ہے۔ انسان میں پہنچ کر اس کا جسم مرتا ہے' اس کا ''میں'' نہیں مرتا۔ یہ ''میں'' اپنی ذمہ داریوں کو لئے ہوئے آگے چلا جاتا ہے۔ اس دنیا میں بھی اگر کوئی (Hypnotist) ماہر عمل تنویم ایسا بھی کر دے کہ تمہاری تمام سابقہ یادداشت یکسر ذہن سے محو ہو جائے' تو اس سے بھی تمہاری ''میں'' کی موت واقع نہیں ہوگی۔ انسانی ذات (نفس) کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ ہمارے ہاں عام طور پر تین نفس گنے جاتے ہیں: نفس امارہ' نفس لوامہ اور نفس مطمئنہ۔ قرآن میں ان تینوں کا ذکر ہے۔ ہمارے ہاں یہ تین الگ الگ نفس ہیں: نفس امارہ انسان کو برائی کے لئے آمادہ کرتا ہے' نفس لوامہ انسان کو برائی پر ٹوکتا ہے' ملامت کرتا ہے اور نفس مطمئنہ وہ ہے' جو اس اضطراب سے' اس کشمکش سے آگے چلا جاتا ہے اور اطمینان سے بیٹھا رہتا ہے۔ قرآن کی رو سے انسان کے اندر تین نفس نہیں بلکہ یہ تینوں اسی ایک ہی نفس کی الگ الگ خصوصیات' گوشے اور افعال ہیں۔ وہی ایک ہی نفس ہے جو یہ سب کچھ کرتا ہے۔

☆☆☆

(اشاعت کے لئے محترم ڈاکٹر انعام الحق نے تعاون کیا ہے۔)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجلّہ طلوعِ اسلام کا اجراء 1938ء میں علامہ اقبالؒ کے ایماء اور قائداعظمؒ کی خواہش پر عمل میں آیا

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ماہنامہ طلوعِ اسلام لاہور

بینک اکاؤنٹ نمبر 7-3082، نیشنل بینک آف پاکستان،
مین مارکیٹ گلبرگ برانچ کوڈ (0465) لاہور

فروری 2013ء | جلد 66 | شمارہ نمبر 2

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر انعام الحق ڈاکٹر منظور الحق
خواجہ ازہر عباس عطاء الرحمٰن ارائیں

قانونی مشیر

ملک محمد سلیم ایڈووکیٹ

انتظامیہ

چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق
ناشر عطاء الرحمٰن ارائیں

مدیر انتظامی

محمد سلیم اختر

قیمت فی پرچہ
-/25 روپے
بدل اشتراک سالانہ
-/300 روپے

بیرونِ ملک
روپے
کینیڈا، امریکہ، آسٹریلیا
روپے

25-B, Gulberg 2, Lahore-54660, Pakistan
Phone: 35714546 Fax: 35764484
Email: idara@toluislam.com
Web Site: http://www.toluislam.com/

پرنٹرز: یمانی پرنٹرز، ریٹی گن روڈ، لاہور۔

Naveed 5.5x8 1c

فہرست

لمعات:	ادارہ	3
پرویز صاحب کا نظریہ قرآن کریم	منظور حسین لیل۔ بھکر	4
کوانٹم تھیوری	راجہ عبدالعزیز خان	12
حضرت عزیر کی طرف منسوب آیۂ کریمہ کی وضاحت	خواجہ ازہر عباس	21
انسانوں پر انسانوں کی حکومت و محکومیت شرک ہے	غلام باری (مانچسٹر)	24
انسانی حقوق	محمد اکرم راٹھور	29
بچوں کے لیے خصوصی تحریر جسے بڑوں کو بھی پڑھنا چاہیے	عارف محمود کسانہ	38

ENGLISH SECTION

Rape and Harassment	**Khan Mohammed Hanif (UK)**	**43**
Surah Al-Qalam—Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 7	**By G. A. Parwez (Translated by: Dr. Mansoor Alam)**	**44**

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔ فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226	
2- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0344-2502141	3- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32632664
4- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0331-2716587	5- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32214259
6- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32628939	7- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32212269
8- مکتبۂ دارالقرآن، اردو بازار، کراچی۔	9- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631056
10- ایوانِ کتب، اردو بازار، لاہور، فون: 0321-8836932	

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ادارہ

لمعات

مرضِ کہن کا چارہ

پاکستان ایک متاعِ گراں بہا ہے جو ہمیں فطرت کی طرف سے بطور نعمت ملی اور جس کے حصول میں، بانیٔ پاکستان علیہ الرحمتہ کا خونِ جگر بھی شامل ہے لیکن ہم نے اس کی سخت ناقدری کی اور خدا سے کئے ہوئے اپنے وعدوں کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس کے اندر قوانین خداوندی کے نفاذ اور ان کے اِتباع سے گریز کی راہیں ڈھونڈتے رہے اور اس طرح ہم نے اپنے لئے وہ جہنم پیدا کر لیا جس میں آج ہم سب جھلس رہے ہیں۔ اس عذاب میں گرفتار ہم اپنے سے پہلی قوموں کی طرح کبھی گذر جانے والوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اور کبھی آپس میں ایک دوسرے سے دست و گریبان ہوتے ہیں اور یہ کچھ کرتے ہوئے سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی۔ ہم اسی اوھیڑ بن میں مگن رہتے ہیں اور اس جہنم کے شعلے دن بدن بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی یہ سوچنا نہیں چاہتا کہ اس صورتِ حال کا بنیادی سبب قانونِ خداوندی سے رُوگردانی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس جہنم سے نکلنے کی کوئی صورت بھی ہے؟ اگر آپ بنگاہِ تعمق اپنے معاشرہ کے حالات پر غور کریں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس میں کوئی ایسا خاص پرزہ نہیں جس کے بدل دینے سے اصلاحِ احوال ہو جائے۔ یہ خرابی اس پورے کے پورے نظام میں ہے جو غیر قرآنی خطوط پر متشکل ہے۔ مفاد پرست گروہ، اپنی جگہوں پر، دن رات ایسی سازشوں میں مصروف رہتے ہیں کہ مستقلاً ایسے حالات پیدا کرتے جائیں جن میں عوام کا، قوانین الٰہی کے اتباع کا جذبہ پنپنے نہ پائے اور موجودہ باطل نظام قائم رہے تاکہ وہ محنت کرنے والوں کا اسی طرح استحصال کرتے رہیں لیکن خدا کا قانونِ مکافات ہر فرعون کے لئے ایک صاحبِ ضربِ کلیم پیدا کرتا ہے۔ دریں حالات یہ کرنا ہوگا کہ اپنے غیر قرآنی نظام کی جگہ خدا کے عطا فرمودہ، قرآن کریم کی دفتین کے اندر محفوظ، الدین کو نافذ اور متمکن کیا جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس مقصد کو حاصل کس طرح کیا جائے تو اس کے لئے سب سے پہلے سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اس کے لئے ایک اور صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ..... ہمیں سنتِ رسول اللہؐ پر عمل کرنا ہوگا۔ اور وہ یہی ہے کہ مسلسل تعلیم سے عوام کو قرآن کے عطا کردہ فلسفۂ حیات اور اس پر مبنی نظامِ ربوبیت سے اس طرح روشناس کرایا جائے کہ اس کا قیام، ہر فردِ اُمت کے دل کی آرزو بن کر اُبھرے، جب تک یہ نہیں ہوتا، اصلاحِ احوال کی کوئی دوسری صورت نہیں کہ:

کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

منظور حسین لیل۔ بھکر

پرویز صاحب کا نظریہءِ قرآن کریم

انسان کی طرف اللہ تعالیٰ کی آخری وحی مکمل اور غیر متبدل طور پر قرآن کریم میں قیامت تک کے لئے محفوظ کر دی گئی ہے۔ یہ انسان کی مکمل راہنمائی کے لئے کافی ہے (۲۹/۵۱)۔ اب انسانی عقل ہمیشہ اسی کی روشنی اور راہنمائی میں اپنے مسائل کا کافی وشافی حل پائے گی۔ یہ یقینی ذریعہءِ علم اور ہر نظریہ وعمل کے صحیح یا غلط ہونے کا اعلیٰ ترین معیار ہے۔

کتابِ انقلاب۔ قرآنِ کریم کا تعارف

قرآن کیا ہے؟:۔ پرویز صاحب اپنی کتاب ''اقبال اور قرآن'' میں ''فکر اقبال کا سرچشمہ۔ قرآن'' کے عنوان کے تحت کہتے ہیں کہ ''اُنہوں (اقبال) نے جاوید نامہ میں، قرآن کی حقیقت وعظمت کو بڑے وجد آفریں انداز میں بیان کیا ہے:۔

فاش گویم، آنچہ، در دل مضمر است ایں کتابے نیست، چیزے دیگر است

چیزے دیگر:۔ قرآن مجید کے تفصیلی تذکرہ کے لئے اگر ضخیم تصنیفات بھی قلمبند کی جائیں تو جو بات ''چیزے دیگر است'' (کوئی انوکھی اور عجیب چیز) میں کہی گئی ہے وہ ان ضخیم مجلدات میں بھی سما نہ سکے۔ اس جامعیت میں تو حقائق ورموز کی ایک دنیا جھلمل جھلمل کر رہی ہے۔ یہ وہ آنکھ کی پتلی (مردم دیدہ) ہے جس میں آسمان سمٹ کر آجاتا ہے۔ امیر خسرو نے اپنے محبوب کے متعلق کہا تھا:۔

آفاقہا گردیدہ ام، مہرِ بُتاں ورزیدہ ام بسیار خوباں دیدہ ام، امّا تو چیزے دیگری

(اے میرے محبوب! میں نے زمین وآسمان چھان مارے اور متعدد حسینوں کی محبت میں گرفتار رہ کر لطف محبت اٹھایا، دنیائے محبت میں ان گنت حسین دیکھے۔ مگر تُو کوئی ''اور چیز'' ہے۔ تجھ سا کوئی کہاں!)

قرآن کریم ''چیزے دیگر'' اس لئے ہے کہ یہ انسان کی داخلی اور خارجی دنیا کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:۔

چوں بجاں در رفت، جاں دیگر شود جاں چو دیگر شُد، جہاں دیگر شود

(کہ جب قرآن کریم انسان کی روح کی گہرائیوں میں اترتا ہے تو انسانی روح کی کیفیت تبدیل ہو کر کچھ ''اور'' (دیگر) ہو جاتی ہے۔ اور جب انسانی روح کچھ ''اور'' ہو جاتی ہے تو یقینی امر ہے کہ انسانی قلب ونظر میں بھی ایک عظیم انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ کیفیت روح کی اس تبدیلی کے عمل کی بدولت یہ کائنات کچھ ''اور'' نظر آنے لگتی ہے یعنی کائنات کا مفہوم بدل جاتا ہے)۔

پرویز صاحب کہتے ہیں ''جاں چو دیگر شد، جہاں دیگر شود'' قرآن کریم کے ایک عظیم فلسفہء حیات و لائحہء انقلاب کی تفسیر ہے۔'' اس سے آگے وہ قوموں کی زندگی میں، خارجی تبدیلیوں پر داخلی تبدیلیوں کے اثرات کا ذکر کرتے ہیں اور وہ قرآنی حقائق سامنے لاتے ہیں جو انسان کی اندرونی اور بیرونی دنیا کو بدل کر رکھ دیتے ہیں۔ انقلاب فکر ونظر سے انسان کی عملی دنیا میں بھی انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ یہ ہے قرآن کا معجزہ! اور یہ ہے قرآن کا کمال!۔ اسی لئے یہ کتاب ''چیزے دیگر'' ہے۔

قرآن کا مقام:۔ طلوعِ اسلام جولائی 1985ء ص۔38:۔ قرآن کا مقام کے عنوان کے تحت پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔ ''جس طرح قرآن کی تعلیم خود خدائے رحمٰن نے دی، اسی طرح یہ بھی خدا ہی نے بتایا کہ قرآن کا مقام کیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بات بھی خدا ہی بتا سکتا تھا کیونکہ یہ اسی کی کتاب ہے۔ اور جیسا کہا گیا ہے کہ:۔ ''تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں۔'' اس کتاب کا تعارف خدا سے بہتر کون کرا سکتا تھا۔۔۔ پھر کتاب بھی ایسی جس کے متعلق (گویا) اس نے خود کہہ دیا ہو۔ ترا کشید و دست از قلم کشید خدا۔ نوعِ انسان کے لئے مکمل، غیر متبدل اور آخری ضابطہء ہدایت کے معنی ہی یہ ہیں۔ کہ جہاں تک عالمِ انسانیت کا تعلق ہے، اس کے بعد خدا نے ''کوئی اور کتاب رقم نہیں فرمائی۔'' قرآن کے مقام کے تعارف کے لئے خدا نے کہا ہے کہ تم غور کرو کہ یہ کارگہِ کائنات بغیر کسی خلل اور فساد کے کس نظم وضبط اور حسن وخوبی سے چلا جا رہا ہے۔ یہ اس لئے کہ کائنات کی ہر شے اس قانون کی پابند ہے جو اس کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ وہ قوانین کتابِ فطرت میں منقوش ہیں۔ اور اسی قسم کے قوانین جو انسانوں کے لئے متعین کئے گئے ہیں، اس کتابِ مبین میں درج ہیں۔ اس لئے وہ اس کتاب کی عظمت و رفعت کو سامنے لانے کے لئے، خارجی کائنات کے مظاہر کو بطور شہادت پیش کرتا ہے۔ (مثلاً) سورہء واقعہ میں ہے: **فَلَآ أُقْسِمُ بِمَوَٰقِعِ ٱلنُّجُومِ** ۔۔۔ ان سے کہو کہ نہیں! بات یہ نہیں کہ میں ان بسیط حقائق کو یونہی نظری طور پر بیان کر کے آگے بڑھ جاؤں گا۔ میں انہیں کائنات کے محسوس نظام کی مرئی مثالوں سے سمجھاؤں گا۔ اس ضمن میں، میں سب سے پہلے ستاروں کی گزرگاہوں کو بطور شہادت پیش کرتا ہوں۔: **وَإِنَّهُۥ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُونَ عَظِيمٌ** ۔۔۔۔ اور اگر تم علم وبصیرت کی بارگاہ سے دریافت کرو تو تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ شہادت کتنی عظیم شہادت ہے (56:75-76)۔ میں ستاروں کی گزرگاہوں۔۔ ان کے طلوع و غروب کے مواقع۔۔ کو اس حقیقتِ کبریٰ کی صداقت کے لئے بطور شہادت پیش کرتا ہوں کہ:۔ **إِنَّهُۥ لَقُرْءَانٌ كَرِيمٌ** (56:75-77)۔ یہ قرآن بڑے شرف ومجد کا حامل اور نوعِ انسان کے لئے بے حد نفع رساں اور عزت بخش ہے۔ خود واجب التکریم، اور جو اسے راہنما

بنالے، اسے واجب التکریم بنا دینے کا ضامن اور کفیل۔ سورہء تکویر میں اس اجمال کو ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جہاں فرمایا کہ:۔ فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔ نہیں! میں شہادت میں پیش کرتا ہوں، ان سیاروں کو جو پچھلے پاؤں لوٹ جاتے ہیں اور انہیں بھی جو ایک برق پا غزالہ کی طرح تیزی سے آگے بڑھ کر چھپ جاتے ہیں۔: وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ۔ اور شہادت پیش کرتا ہوں رات کو جب وہ نہایت آہستہ دبے پاؤں آتی ہے اور اسی طرح خاموشی سے دبے پاؤں لوٹ جاتی ہے۔ اور صبح کو جب وہ اپنی مسیحا نفسی سے ساری دنیا کو حیاتِ نو کا پیام دینے کے لئے مشرق کے جھروکے سے نمودار ہوتی ہے۔ میں شہادت میں پیش کرتا ہوں ان تمام کائناتی شواہد کو اس حقیقتِ کبریٰ کی تبیین کے لئے کہ:۔ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ (81:19)۔ جس شخص (ﷺ) کی زبان سے تم اس قرآن کو سن رہے ہو وہ ہمارا بھیجا ہوا قاصد ہے اور نہایت معزز اور واجب التکریم قاصد۔ یعنی یہ پیغام (قرآن) بھی ''الکریم'' (56:77) اور اس کا لانے والا (ﷺ) بھی ''الکریم'' (81:19) اور جس (خدا) نے اسے بھیجا ہے وہ بھی ''الکریم'' (23:116)۔

ارض وسما کی شہادت:۔ سورہء الطارق میں ہے: وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (86:11)۔ یہ فضائی کُرّے جو اس قدر عظیم الجثہ ہونے کے باوجود اس حسن وخوبی سے اپنے اپنے افلاک میں تیرتے پھرتے ہیں (36:40) اور اپنی گردش سے زندگی کے نئے نئے پہلو سامنے لاتے ہیں۔ وہ اس حقیقت پر شاہد ہیں۔ اور یہ زمین، جو بیج کو پھاڑ کر اس میں سے کونپل کی شکل میں ایک نئی زندگی کی نمود کرتی ہے: والارض ذات الصدع۔ یہ بھی اس حقیقت پر گواہ ہے کہ: إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (86:12-13)۔ قرآن ایک فیصلہ کن حقیقت ہے۔ اس میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ (Decisive) ہے۔: وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (86:14)۔ یونہی مذاق نہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ یہ محض ''شاعری ہے جسے زمانے کی گردشیں خود بخود مٹا دیں گی۔'': أَمْ يَقُولُونَ شَاعِرٌ نَّتَرَبَّصُ بِهِ رَيْبَ الْمَنُونِ (52:30)۔ یہ غلط ہے۔ فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُونَ۔ وَمَا لَا تُبْصِرُونَ۔ وہ تمام حقائق جو تمہاری نگاہوں کے سامنے آچکے ہیں اور جو تمہاری نگاہوں سے مستور ہیں، وہ سب اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ:۔ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ○ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ط (69:39-40)۔ یہ (قرآن) ایک واجب التکریم پیغمبر (ﷺ) کی وساطت سے پہنچنے والے ابدی حقائق کا مجموعہ ہے۔ محض شاعرانہ تخیلات کا نگاہ فریب مرقع نہیں۔ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ط (69:42)۔ نہ ہی یہ کسی اٹکل پچو باتیں بتانے والے نجومی کی قیاس آرائیاں ہیں۔ بلکہ:۔ تَنزِيلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ (69:43)۔ یہ اس خدا کی طرف سے نازل کردہ قوانین کا ضابطہ ہے جو تمام کائنات کا نشوونما دینے والا ہے۔ ہر شے کو آہستہ آہستہ، بتدریج اس کے نقطہء آغاز سے، معراجِ تکمیل تک پہنچانے والا۔ اس قسم کے حقائق نہ کوئی شاعر دے سکتا ہے نہ سرپھرا دیوانہ۔:۔ وَيَقُولُونَ ءَإِنَّا لَتَارِكُوٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (37:36)۔ بَلْ جَآءَ بِالْحَقِّ (37:37)۔ یہ وہی دے سکتا ہے جو خدا کی طرف سے، تعمیری نتائج پیدا کرنے والی مثبت حقیقت لایا ہو۔: وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنۢبَغِي لَهٗ ط۔ ہم نے اپنے رسول (ﷺ) کو شاعری نہیں سکھائی، نہ ہی شاعری اس کے شایانِ شان تھی۔ جو زندگی بخش، حیات آور، پیغامِ انقلاب کا حامل ہو، اُسے شاعری سے کیا کام؟۔: إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ۔ یہ ان ابدی حقیقتوں کی یاددہانی ہے جنہیں تم

نے فراموش کر رکھا ہے۔ یہ ایک ضابطہء زندگی ہے جو اپنی بات کو نہایت ابھرے اور نکھرے ہوئے انداز سے تمہارے سامنے پیش کرتا ہے۔: لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (36:69-70)۔ تاکہ ہر اس شخص کو جس میں زندگی کی رمق باقی ہے، غلط روش پر چلنے کے ہلاکت انگیز عواقب سے آگاہ کر دے۔ اور جو لوگ اس کے باوجود اسی (غلط) روش پر چلتے جائیں وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ جو کچھ اس نے کہا تھا وہ کس طرح حقیقت پر مبنی تھا۔ اس لئے کہ:۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ○ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (86:13-14)۔ یہ فیصلہ کن بات کرتا ہے۔ یونہی مذاق نہیں کرتا۔ چونکہ تم غور و فکر سے کام نہیں لیتے، اس لئے اس کی عظمت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اس کی عظمت اور اثر انگیزی کا تو یہ عالم ہے کہ: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ (59:21)۔ اگر (استعارہ کے طور پر) ہم اسے قلبِ کوہ کے اندر رکھ دیتے (اور اسے احساس عطا کر دیتے تو) تُو دیکھتا کہ اس کی خلاف ورزی کے ہلاکت آفریں نتائج کے احساس سے اس کی سختی کس طرح نرم پڑ جاتی اور کس طرح اس کا جگر شق ہو جاتا۔ اس لئے کہ:۔ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ وَّمَا هُوَ بِالْهَزْلِ۔ ''فصل'' کے معنی ہوتے ہیں، الگ الگ کر دینا۔ متمیز کر دینا۔ حق کو باطل سے جدا کر کے دکھا دینا۔ غلط کو صحیح سے الگ کر کے بتا دینا۔ اسی کے لئے دوسری جگہ کہا: حٰمٓ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۔ ''یہ ایک ایسا ضابطہء قوانین ہے جو خود بھی واضح اور صاف ہے اور ہر بات کو نہایت وضاحت اور صراحت سے ابھار کر اور نکھار کر بیان کر دیتا ہے۔'': اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ۔ ''ہم نے اس کا آغازِ نزول (رمضان کے مہینے کی ایک) ایسی شب میں کیا جو تمام نوعِ انسانی کے لئے نہایت برکت و سعادت کا موجب بن گئی۔'' یہ کتاب ہمارے اس قانون (سنت اللہ) کے مطابق نازل ہوئی جس کی رو سے ہم شروع سے انسان کو اس کی غلط روش کے تباہ کن نتائج سے آگاہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔: فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ (44:4)۔ ''اس میں، ان تمام امور کو جو حکمت پر مبنی ہیں، (غلط امور سے) الگ کر کے رکھ دیا گیا ہے۔''

قرآن خود روشنی ہے:۔ یہ ہے وہ کتاب جس کا تعارف خود صاحبِ کتاب (خدائے حکیم) نے اس انداز سے کرایا ہے۔ میں نے پہلے کہا ہے کہ قرآن رحمت اس لئے ہے کہ یہ رہ نوردِ دشتِ حیات کی راہنمائی صحیح منزل کی طرف کرتا ہے۔ اس راہنمائی کے متعلق بھی قرآن کریم نے بڑی وضاحت سے بتایا ہے، لیکن میں یہاں (بغرضِ اختصار) سورۂ مائدہ کی دو آیات پیش کرنے پر اکتفا کروں گا۔ ان میں کہا گیا ہے کہ: قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ ''خدا کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور، ایک روشنی آ گئی۔ یعنی ایک ایسی کتاب جو بالکل واضح ہے۔'' ظاہر ہے کہ روشنی اپنی دلیل آپ ہوتی ہے۔ اسے تلاش کرنے یا دیکھنے کے لئے کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر کسی کمرے میں بجلی کا قمقمہ روشن ہو تو آپ وہاں دیا جلا کر نہیں لے جاتے کہ دیکھیں بجلی کا قمقمہ کہاں ہے اور کیسا ہے!۔ یہ مفہوم ہے ایسا کہنے کا کہ روشنی اپنی دلیل آپ ہوتی ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے البتہ انسانی آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے۔ روشنی اسے ہی فائدہ دے سکتی ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ جو آنکھیں

بند رکھے، اس کے لئے روشنی کا عدم اور وجود برابر ہوتا ہے۔ قرآن کے سراجِ منیر سے مستفید ہونے کے لئے انسانی عقل وفکر کی آنکھ کا کھلا رہنا ضروری ہے۔ جو لوگ عقل وفکر سے کام نہیں لیتے، انہیں یہ جگمگاتا چراغ بھی کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔۔۔ یہ ہے وہ مشعل، وہ سراجِ منیر، وہ جگمگاتا چراغ جو سفرِ زندگی میں راہنمائی کا کام دیتا ہے۔ یہ چراغ کرتا کیا ہے!۔: يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ (5:16)۔ ''یہ سلامتی کے راستوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔'' ''سلام'' بڑا جامع لفظ ہے۔ عام طور پر یہ لفظ ''خطرات سے محفوظ رہنے'' کے لئے بولا جاتا ہے۔ لیکن اس کا مفہوم اتنا ہی نہیں، اس سے زیادہ وسیع ہے۔ اس کا مفہوم ہوتا ہے کسی کو خطرات سے محفوظ رکھ کر اسے تکمیل کی منزل تک پہنچا دینا۔ یہ کاروانِ انسانیت کی خطرات سے حفاظت کس طرح کرتا ہے؟۔: يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ۔۔۔ یہ انہیں، زندگی کی ہولناک تاریکیوں سے نکال کر، روشنی کی طرف لے آتا ہے اور اس طرح: يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (5:15-16)۔ ان کی راہنمائی زندگی کے سیدھے، توازن بدوش راستے کی طرف کر دیتا ہے۔ یہاں صراطِ مستقیم کہا ہے۔ دوسری جگہ ہے: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ (17:9)۔ یقیناً یہ قرآن، نوعِ انسان کی راہنمائی اس راستے کی طرف کرتا ہے جو ''اقوم'' ہے۔۔۔ سب سے زیادہ متوازن راہ۔ اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ زندگی کے قیام کا دارومدار توازن پر ہے۔ جس کا توازن بگڑ جائے، چلنا تو ایک طرف، وہ اپنے پاؤں پر کھڑا بھی نہیں رہ سکتا۔۔۔ ہماری زبوں حالی اور حرماں نصیبی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہمارے معاشرہ کا توازن بگڑ چکا ہے۔ نہ ہماری انفرادی زندگی متوازن (Balanced) رہی ہے، نہ معاشرہ متوازن۔ قرآن، افراد اور اقوام، بلکہ نوعِ انسان کا بگڑا ہوا توازن درست کر دیتا اور اس طرح انہیں چلنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ اس مقام پر ضمناً اتنا اور سمجھ لیجئے کہ قرآن صحیح راستے کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ وہ یہ بتاتا ہے کہ صحیح راستہ کون سا ہے۔ کسی کو اٹھا کر خود منزل تک نہیں پہنچا دیتا۔ منزل تک پہنچنے کے لئے چلنا، مسافر کو خود ہی پڑتا ہے۔ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالح کی شرط سے یہی مراد ہے۔ ایمان ہوتا ہے راستے کے صحیح ہونے پر یقینِ محکم، اور عملِ صالح کے معنی ہوتے ہیں اس راستے پر چلتے جانا۔ جو مسافر راستے کی صحت پر یقین کے دعویٰ کے باوجود، بیٹھا رہتا ہے، چلتا نہیں، راستے کی صحت اسے بھی کچھ فائدہ نہیں دے سکتی۔۔۔ ہم نے دیکھا ہے کہ قرآن زندگی کی راہوں کو روشن کر دیتا ہے۔ اس سے یہ سوال سامنے آتا ہے کہ وہ کون سے راہزن ہیں جو اس راستے میں روک بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کاروانِ انسانیت کو غلط راہوں پر ڈال دیتے ہیں۔ اس سوال اور اس کے جواب کا سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر ہم صحیح راستے کی طرف قدم ہی نہیں اٹھا سکتے۔ لیکن اسے سمجھنے کے لئے، یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ قرآن کا پیغام کیا ہے، اور یہ راہزن اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔۔ جہاں تک قرآن کی تعلیم کا تعلق ہے اس کا ملخص اقبالؒ نے ایک مصرعہ میں ایسے حسن کارانہ ایجاز سے سمو کر رکھ دیا ہے جس پر کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ قرآن:۔ ع:۔ موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے۔۔۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جب یہ ہر نوعِ غلامی کے لئے موت کا پیغام ہے، جو مستبد قوتیں دوسرے انسانوں کو اپنی محکومی اور محتاجی کے مرئی اور غیر مرئی شکنجوں

میں کس کر رکھتی تھیں، وہ اس کی آواز کو کس طرح برداشت کر سکتی تھیں۔ یہ تھیں وہ قوتیں جو اس دعوتِ خداوندی کی مخالفت میں اپنا پورا زور صرف کر دیتی تھیں۔ واضح رہے کہ یہ پیغامِ خداوندی قرآن کے ذریعے پہلی بار انسانیت تک نہیں پہنچایا گیا۔ جب سے آسمانی سلسلہء رشد و ہدایت شروع ہوا، ہر رسول کے ذریعے یہی پیغام دیا گیا۔ اور اسی بناء پر رسول کی قوم نے اس کی مخالفت کی۔ اس سلسلہء انبیاء کرام کی آخری کڑی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تھی۔ چونکہ حضور ﷺ کے بعد وحی کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تھا اس لئے یہ پیغامِ خداوندی اپنی آخری اور مکمل شکل میں محفوظ کر دیا گیا۔۔۔ سلسلہء انبیاء کرام تو حضور ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ختم ہو گیا، لیکن دعوتِ انبیاء کرام کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ اس دعوت کے پیش کرنے کے لئے خدا کی طرف سے اب کسی رسول کے آنے کی ضرورت نہیں۔ یہ فریضہ امتِ محمدیہ ﷺ کے سپرد کر دیا گیا جب کہا کہ:۔ ثُمَّ اَوۡرَثۡنَا الۡکِتٰبَ الَّذِیۡنَ اصۡطَفَیۡنَا مِنۡ عِبَادِنَا (35:32)۔ ''پھر ہم نے اس کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنا دیا جنہیں اس مقصد کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔'' اب اطاعتِ خداوندی کی دعوت کا فریضہ امتِ محمدیہ ﷺ کو سونپ دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب وہ دعوت موجود ہو گی تو اس کی مخالفت کرنے والے عناصر بھی موجود ہوں گے، کہ کشمکشِ حق و باطل ازل سے چلی آ رہی ہے اور ابد تک رہے گی۔'' اس کے بعد پرویز صاحب بتاتے ہیں کہ کس طرح آج بھی مذہبی پیشوائیت قرآن کی دعوت دینے والوں کی مخالفت کر رہی ہے۔ اور اللہ کی طرف جانے والے راستے میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہے۔

قرآن کی عظمت:۔ پرویز صاحب اپنی تفسیرِ قرآن ''مطالب الفرقان'' میں آیت نمبر 2:103 کی تشریح کرتے ہوئے ''قرآن کی عظمت'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔ ''جس شخص کے قلبِ سلیم کو اللہ تعالیٰ نے متاعِ ایمان سے بہرہ یاب اور اس کی نگاہوں کو نورِ بصیرت سے سرفراز فرمایا ہو، وہ جب خدائے حی و قیوم کی اس زندہ و پائندہ کتاب کی عظمتوں پر نگاہ ڈالتا ہے تو اس کے جبروت و جلال کے سامنے تھرتھرا اُٹھتا ہے۔ اس عظیم المرتبت ضابطہء خداوندی کی شوکت و سطوت کے پیشِ نظر اس کے جسم پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ اس سراجِ منیر کی درخشندگی کو دیکھ کر اس کی نگاہوں میں خیرگی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ جب تدبر و تفکر سے اس کی گہرائیوں میں اترتا ہے تو حقائق و معارف کی ایک نئی دنیا اس کے سامنے جلوہ بار ہوتی ہے۔ اگر کسی کتاب کی رفعتِ شان کا اندازہ اس کے ''مصنف'' سے لگایا جا سکتا ہے تو اس کتابِ حکیم کی بلندیء منزلت کا کیا پوچھنا جس کا ''مصنف'' خود خدائے علیم و بصیر ہو۔ اگر اس کی تقدیس کا جائزہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کا محمل کون ہے تو اس کتابِ مقدس و مبارک کا کیا کہنا جس کا مہبط اس ذاتِ اقدس و اعظم ﷺ کا قلبِ منور تھا جو معراجِ انسانیت کی مظہرِ اتم تھی۔ اگر اس کتاب کی عظمت کا اندازہ اس کے مشمولات سے کیا جا سکتا ہے تو اس زندہ و پائندہ کتاب کے علوِ مرتبت کا کیا ٹھکانہ جس کے اصولوں کے ماتحت نظامِ کائنات سرگرمِ عمل ہو اور جس کے قوانین، اقوام و مللِ عالم کی موت و حیات کے فیصلے کر رہے ہوں، اور پھر اگر اس نسخہء تکوینِ حیات کی ارجمندی کی قدر و قیمت اس کی تعلیم کے نتائج سے پہچانی ہو تو

اس کے متعلق پوچھئے سرزمینِ عرب کے اُن ذرات سے، جنہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح ایک اونٹ چرانے والی بادیہ نشین قوم، دیکھتے ہی دیکھتے، قیصر وکسریٰ کی دولت وثروت کی وارث بن گئی اور مکارمِ اخلاق کے اس بلند مقام پر فائز ہوگئی جو آج تک چشمِ عالم کو دیدہء حیراں بنا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں بلکہ ایک برقِ خاطف تھی جو فاران کی بدلیوں سے چمکی اور ہر طاغوتی قوّت کو خاکستر بنا گئی۔ ایک شمشیر برہنہ تھی جو فضائے عالم میں کوندی اور ہر اس زنجیر کو کاٹ کر الگ کر گئی جس نے انسانیت کو غیر خداوندی بندشوں میں جکڑ رکھا تھا۔ یہ تھی وہ کتابِ حکیم جو مسلمانوں کو اس لئے دی گئی تھی کہ وہ اسے قیامت تک کے لئے اپنا نصابِ زندگی بنائیں اور اس کے قوانین کے تابع چلیں۔''

☆.....☆.....☆

قرآن کے معانی:۔ پرویز صاحب نے اپنی تصنیف ''لغات القرآن'' میں قرآن کریم کے معانی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اُن کے مطابق زجاج نے کہا ہے کہ قرآن ''فعلان'' کے وزن پر مصدر ہے۔ اس کے معنی ''جمع کرنے'' کے ہیں۔ قرآن کو قرآن اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سورتوں کو جمع کرتا ہے اور انہیں ایک دوسرے سے ملاتا ہے۔ ابن الاثیر نے کہا ہے کہ کتاب اللہ کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اندر قصص، امر، نہی، وعدہ، وعید اور آیات اور سورتوں کو باہم گر جمع کر دیا ہے۔'' یہیں وہ ایک اور غلط نظریئے کے بارے میں بھی وضاحت کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں ''اس سے ظاہر ہے کہ قرآن کریم خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جمع، مرتب اور محفوظ شکل میں وجود میں آچکا تھا۔ یہ صحیح نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اسے منتشر شکل میں چھوڑ گئے تھے اور اسے بعد میں یک جا کیا گیا تھا۔ علاوہ دیگر شواہد، خود لفظ ''قرآن'' اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ جمع شدہ (کتاب کی) شکل میں تھا۔'' آگے چل کر لکھتے ہیں۔ ''بعض کا خیال ہے کہ ''قراء'' عبرانی لفظ ہے جس کے معنی ''اعلان کرنے'' کے ہیں۔

اعلانِ عام:۔ اس اعتبار سے ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ'' (96:1) کے معنی ہوں گے۔ ''تُو اپنے نشو ونما دینے والے کی صفت ربوبیت کا عام اعلان کردے۔'' یہ وہی چیز ہے جسے سورۃ مدثر میں قُمْ فَاَنْذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ'' (74:2-3) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس سے قرآن کے معنی ''اعلانِ عام'' کے ہوں گے۔'' (طلوعِ اسلام فروری 1983ء۔ صفحہ نمبر 50 پر ہے کہ:۔ قرآن کے معنی ہیں ''اعلانِ عام''۔ Proclamation۔ اس اعتبار سے قرآن کے معنی ہوں گے۔ ''مملکتِ خداوندی کا اعلامیہ'')۔ وہ اپنی عظیم تالیف ''تبویب القرآن'' میں کہتے ہیں کہ ''قرآن کی قراءت'' سے مفہوم قرآن کا پڑھنا ہی نہیں، بلکہ اس کے پیغام انقلاب آفریں کا ''اعلان عام'' کرنا بھی ہوگا۔'' طلوعِ اسلام دسمبر 1977ء میں صفحہ نمبر 25 پر وہ اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں کہ۔ ''اٹھ۔ اور دنیا میں اس خدا کی

عالمگیر ربوبیت کا اعلانِ عام کردے جس نے کائنات اور انسانوں کو پیدا کیا ہے۔یعنی اس حقیقت کا اعلان کہ انسانوں کی ربوبیت (پرورش) انسانوں کے ہاتھ میں نہیں رہے گی۔ یہ اس خدا کے نظام کی تحویل میں رہے گی۔جس نے انسانوں کو پیدا کیا اور ان کی نشوونما کا ذمہ لیا۔ یہ تھا قرآن کا سب سے پہلا اعلان۔کیسا انقلاب آفریں ہے خدا کا یہ اعلان!۔''

لفظ قرآن کا مفہوم:۔ طلوع اسلام دسمبر 1977ء میں صفحہ نمبر 25-24 پر پرویز صاحب نے لفظ ''قرآن'' کا مفہوم یوں بیان کیا ہے۔''لفظ قرآن کا مادہ (ق۔ر۔ء) ہے۔عربی زبان میں مادہ کسے کہتے ہیں اور اس کی خصوصیت کیا ہوتی ہے، اس کے متعلق ذرا آگے چل کر عرض کروں گا۔اس مادہ (ق۔ر۔ء) کے بنیادی معنی ہوتے ہیں۔جمع کرنا اور محفوظ رکھنا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''جمع'' اور ''حفظ'' بھی تو عربی زبان کے الفاظ ہیں اور خود قرآن نے انہیں استعمال بھی کیا ہے تو پھر (ق۔ر۔ء) کے مادہ میں کیا خصوصیت ہے کہ قرآن کا لفظ، اس مادہ سے لیا گیا، جمع اور حفظ سے نہیں۔قرآن کا ایک اعجاز لفظوں کا انتخاب ہے، اور اس کا یہ انتخاب خود پکار کر کہہ دیتا ہے کہ:۔ایں کتابے نیست چیزے دیگر است۔(ق۔ر۔ء) کے معنی ہوتے ہیں کسی چیز کو اس طرح جمع اور محفوظ رکھنا جس طرح رحم میں نطفہ محفوظ رکھا جاتا ہے۔ظاہر ہے کہ رحم میں نطفہ اس طرح محفوظ نہیں رکھا جاتا جس طرح (مثلاً) کسی تھیلی میں چند سکے محفوظ رکھے ہوں۔وہ سکے، جامد ہوں گے اور ویسے کے ویسے پڑے رہیں گے۔لیکن رحم میں نطفہ جامد نہیں ہوتا۔اس میں بڑھنے، پھولنے، پھلنے، نشوونما پانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔قرآن کریم، تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک، ضابطہء حیات ہے۔اس لئے اس میں یہ صلاحیت ہونی چاہیئے (اور ہے) کہ یہ انسانی زندگی کے بڑھتے ہوئے تقاضوں کا ساتھ دیئے چلا جائے۔یہ ہر زمانے میں انسانی فکر کی امامت کا فریضہ سرانجام دے۔یہ کاروانِ انسانیت کے لئے ہر منزل میں چراغِ راہ ہو۔یہ کسی مقام پر بھی یہ نہ کہہ دے کہ مجھ میں اب آگے بڑھنے کی صلاحیت نہیں رہی۔اور ظاہر ہے کہ یہ مقام اسی ضابطہء حیات کو حاصل ہوسکتا ہے جس کے مفہوم میں، علمِ انسانی کی نسبت سے بڑھنے اور پھلنے پھولنے کی صلاحیت ہو۔اس حقیقت کو میں پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ۔۔۔جوں جوں انفس و آفاق میں پوشیدہ حقیقتیں بے نقاب ہوتی جائیں گی، قرآن کی صداقت اور نکھر اور اُبھر کر سامنے آتی جائے گی۔انسانی علم کی ہر تحقیق، سائنس کا ہر انکشاف قرآنی دعاوی کی شہادت بنتا جائے گا۔دوسرے مقام پر اس نے کہا ہے کہ: اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔''چونکہ یہ عالمگیر انسانیت کے لئے ضابطہء ہدایت ہے اس لئے: وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ (38:87-88)۔اس میں بیان کردہ حقائق، سب کے سب ایک ہی وقت میں سامنے نہیں آجائیں گے، یہ کچھ وقت کے بعد بے نقاب ہوں گے۔'' (جاری ہے)

☆.....☆.....☆

راجہ عبدالعزیز خان (دہیر کوٹ آزاد کشمیر)

کوانٹم تھیوری

احترام آدمیت قرآنِ کریم کی مستقل اقدار میں سے ایک بنیادی قدر ہے۔ اس اساسی قدر کے تحت ہر انسان چاہے وہ تعلیم یافتہ ہو یا اَن پڑھ، امیر ہو غریب، عورت ہو یا مرد، سیاہ ہو یا سفید، کسی اقلیتی قبیلے سے ہو یا اکثریتی قبیلے سے حتیٰ کہ مسلم ہو یا غیر مسلم محض انسان ہونے کی جہت سے قابل احترام اور واجب التکریم ہے۔ (17:70)۔ یہ قدر ہر انسان کیلئے ہے۔ البتہ معاشرے میں فضیلت کا معیار ہر شخص کی سیرت و کردار یعنی اس کے اعمال کی بناء پر متعین ہوگا (96:19)۔ اور اس معیار کے مطابق سب سے زیادہ واجب التکریم وہ شخص ہوگا جو قوانین خداوندی کے مطابق زندگی گذارتا ہے۔ (49:13)۔ یہاں معیارِ فضیلت حسب و نسب نہیں بلکہ انسان کے ذاتی جوہر یعنی سیرت و کردار کی بلندی ہے۔ ایک متوازن معاشرے کے لئے یہ معیار بنیادی حیثیت کا حامل ہوتا ہے۔ جس معاشرے میں فضیلت کا معیار حسب و نسب، قبیلائی تفضّل، دولت اور ثروت کی بنیاد پر ہو وہاں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔ قرآن مجید میں سابقہ انبیاءؑ کے تذکروں میں ان فسادات کا بار بار حوالہ دیا گیا ہے۔ موجودہ دور میں یہ وہی عالمگیر فساد ہے جس کے متعلق قرآن مجید نے آگاہ کیا تھا کہ ''انسانوں کے خود ساختہ نظاموں کی وجہ سے خشکی و تری میں ہر جگہ فساد برپا ہو گیا ہے'' (3:41)۔ ایک دور میں محمدؐ رسول اور والذین معہٗ یعنی امت مسلمہ نے اس فساد کو اصلاح میں بدلا تھا اور اسی جہت سے قرآن کریم نے انہیں مصلحین کہہ کر پکارا ہے، کیونکہ مفسرین اور مصلحین ایک دوسرے کی ضد ہوتے ہیں 2:220 اور دونوں کی زندگی ایک جیسی نہیں ہوتی 38:28۔

وحی الٰہی کے دیئے ہوئے توازن بدوش نظام کو پس پشت ڈال کر انسان نے ذاتی مفاد پرستیوں کے زیر اثر آزادی و حریت اور عدل و انصاف پر خدائی نظام کو چیلنج کر رکھا ہے۔ آج حضرت علامہ اقبال کا 135 واں یوم پیدائش منایا جا رہا ہے۔ مشہور فلسفی کانٹ کے بارے میں خود علامہؒ نے فرمایا تھا کہ کانٹ ہی کی ذات وہ سب سے بڑا عطیہ ہے جو جرمنی کو دیا گیا ہے۔ حضرت علامہؒ کے مسلمانوں پر احسانات کو دیکھ کر میں کہتا ہوں کہ ''حضرت علامہؒ کی ذات اس سے بڑا عطیہ ہے جو مسلمانوں کو دیا گیا ہے''۔ خدائی نظام کو انسانی چیلنج کا ذکر علامہؒ نے یوں کیا ہے۔

گفت یزدان کہ چنین است و چنیں خواہد ماند　　گفت آدم کہ چنیں ہست و چناں خواہد بود

خدا نے انسان سے کہا کہ تم اپنی تمدنی زندگی کے نظام کو اسی حالت پر رہنے دینا جس حالت پر ہم اسے بذریعہ وحی متعین کریں اس

میں کوئی تبدیلی کی تو بگاڑ پیدا ہو جائے گا۔ وحی سے سرکشی برتنے والے انسان نے کہا کہ نہیں اس کا فیصلہ میں خود کروں گا کہ اسے کیا ہونا چاہئے۔ اور اس کا نتیجہ بر و بحر میں ہر جگہ برپا فساد ہمارے سامنے ہے۔ ہمارے معاشرتی پہلو میں عمرانی وحدت کے شعور کی بنیاد و محدود وفاداریاں بن گئی ہیں اور انسانیت اقوام و ملل میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔

وحی خداوندی پر مبنی معاشرے کی بنیاد' مطالبہ حقوق پر نہیں ہوتی بلکہ اشیائے حقوق پر ہوتی ہے۔ ڈاکٹر برہان احمد فاروقی لکھتے ہیں ''معاشی پہلو کی اصلاح طلب خاصیت حرص' لالچ اور بخل ہے۔ جسے انفاق' ایثار اور احسان کے تقاضے میں بدلنا ضروری ہے کیونکہ مثالی معاشرے کے خصائص یہ ہیں کہ وہ نوع انسانی کی وحدت کے تصور پر مبنی اخلاقی جدوجہد کرنے والے اور روحانی الذہن افراد پر مشتمل ہو' جن کی جدوجہد کا رخ یہ ہو کہ فرد و معاشرہ ہر قسم کے خوف و غم سے محفوظ رہیں۔ جس کے استحکام کی بنیاد محمد رسول اللہؐ کی غیر مشروط اطاعت ہو اور آپؐ کے ساتھ غیر منقسم وفاداری۔ وفاداری کے تقسیم ہو جانے سے فرقہ پرستی پیدا ہو گی کیونکہ شرک فی النبوۃ ہی سے فرقہ پرستی پیدا ہوتی ہے''۔ (قرآن اور مسلمانوں کے زندہ مسائل) حضرت علامہؒ نے اسلامی نظام کے مقصد کو ایک نقطے میں یوں بیان کیا تھا

کس نہ باشد در جہاں محتاج کس نقطہ شرع مبیں ایں است و بس

اس لئے وہ قرآنی نظام کی ایک اہم خصوصیت یہ بتاتے ہیں کہ یہاں!

کس دریں جا سائل و محروم نیست عبد و مولا حاکم و محکوم نیست

لیکن مستبد اور بالادست قوتیں ظلم و تشدد پر مبنی نظام کی بنیادوں کو مضبوط اور طاقتور بناتی ہیں تاکہ طاغوتی اور استحصالی ہتھکنڈے استعمال کر کے کمزور اور زیردست طبقے کو کچل کر ان کی ساری توانائیوں اور صلاحیتوں کو اس قدر دبا سکیں کہ ان میں زندگی کی کوئی علامت ہی نہ رہے۔

دراصل بالادست طبقہ قرآن کے عطا کردہ پاکیزہ نظام کی مخالفت اس لئے کرتا ہے تاکہ اس کو کمزور اور بے بس انسانوں پر ظلم و ستم اور ہر قسم کی زیادتی کرنے کی کھلی چھٹی مل جائے اور ان کی استعماری حکومت کو سرکش طغانیوں کی خواب آور فریب کاریوں اور بربریت کے ہولناک عفریتوں اور ان کے آہنی پنجوں میں پوری انسانیت تڑپتی' پھڑکتی اور بلبلاتی رہے۔ اس سرکش طبقے کی ذہنیت ایسی ہو جاتی ہے کہ یہ غریب اور پسے ہوئے طبقوں کے انسانوں کو انتہائی حقیر نظروں سے دیکھتے ہیں جیسا کہ حضرت نوحؑ کے زمانے کے لوگ دیکھتے تھے۔ انبیا کرامؑ اور ان کے رفقاء کی جماعتیں ان کمزور اور ناتواں انسانوں کو اس استحصالی اور فرعونی طبقے کے آہنی پنجوں سے نکال کر ان کو آزاد اور باوقار زندگی گزارنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ اسی لیے انبیاء پر ایمان لانے والے لوگوں کی اکثریت اسی کچلے ہوئے طبقے سے ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت نوحؑ جب ان بالادست لوگوں کو ایمان لانے کے لئے کہتے تھے تو یہ پہلا اعتراض ہی یہ کرتے تھے کہ جن لوگوں نے تمہارا دین اختیار کیا ہے یہ انتہائی نیچ اور ذلیل لوگ ہیں۔ یہ ہماری برابری نہیں کر سکتے ہم بھلا ایسے لوگوں کے ساتھ کیسے رہ سکتے ہیں 11:27۔ یہ بات حضرت نوحؑ کے زمانے میں سردارانِ قوم اور طبقہ امراء کے چوہدریوں تک ہی محدود نہیں تھی۔ جب اور

جہاں بھی دولت کو عزت و تکریم کا معیار قرار دیا جائے گا' طبقہ امراء میں یہ ذہنیت پیدا ہو جائے گی۔

گزشتہ تین سالوں سے دنیا کی نظریں اکیس دسمبر 2012ء پر لگی تھیں کہ اس دن دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔ ممکن ہے یہ شوشہ بھی اسی دھوکے باز طبقے نے چھوڑا ہو قرآن مجید کے مطابق انسان سمیت اس پوری کائنات کا ایک وقت میں اختتام ہوگا۔ کب ہوگا؟ اس کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ دنیا کے خاتمے کی کہانیاں اور داستانیں ہمیشہ سے چلی آ رہی ہیں۔ البتہ اس بار اس تصور کو محض گپ شپ کے انداز میں نہیں بلکہ ایک سائنسی حقیقت کے طور پر پیش کیا گیا۔ اور اس کی بنیاد وسطی امریکہ میں میکسیکو کی ایک قدیمی تہذیب ''مایا'' (Moyon) کو بنایا گیا۔ بتایا جاتا ہے کہ مایا تہذیب والوں نے تقریباً پانچ ہزار سال قبل مسیح ایک کیلنڈر ترتیب دیا تھا جس کی آخری تاریخ 21 دسمبر 2012ء بنتی ہے۔ لہٰذا مایا تقویم کا خاتمہ دراصل دنیا ہی کا خاتمہ ہے۔ مایا تہذیب کے آثار پانچ ہزار سال ق م تا پانچ سو سال عیسوی تک ملتے ہیں۔ کائنات کے بارے میں اِن لوگوں کا تصور تھا کہ تخلیق سے پہلے صرف سمندر' آسمان اور خالق تھے۔ خالق اکثر اوقات اداس رہتا تھا کیونکہ اس کی تعریف کرنے والا کوئی نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی تعریف کے لئے زمین' پہاڑ اور جانور پیدا کئے (نہ جانے کہ زمین کی پیدائش سے پہلے سمندر کہاں تھے) لیکن خالق کی خواہش پوری نہ ہو سکی کیونکہ پہاڑ' جانور وغیرہ بول ہی نہیں سکتے تھے۔ اس طرح مختلف تجربات کے بعد خالق نے انسان کو پیدا کیا۔

دنیا کے خاتمے کی پیشین گوئی کو اس وقت مزید پذیرائی ملی جب 2009ء کے اختتام پر دنیا بھر میں ہالی ووڈ کی تیار کردہ فلم "2012" کے نام سے نمائش کیلئے پیش کی گئی۔ اس فلم میں مایا تہذیب کے کیلنڈر کو بنیاد بنا کر دنیا کی ممکنہ تباہی کی منظر کشی کی گئی ہے جن میں زمینی قطبین کے پلٹ جانے اور شمسی طوفان وغیرہ کے مناظر دکھا کر اس بات کو حقیقی رنگ دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ مایا لوگوں کے تصور کائنات کا حال تو آپ نے اوپر دیکھ لیا لیکن ان کے دیگر کارنامے بھی گھڑ لیے گئے ہیں۔ جن کے مطابق یہ لوگ سائنسی لحاظ سے اتنے ترقی یافتہ تھے کہ نیپچون اور پلاٹو سیاروں کے علاوہ انہوں نے ایک نیا سیارہ نبیرو (Nebiru) بھی دریافت کیا تھا۔ ان کے زمانے میں قدیم خلانورد بھی کبھی کبھار زمین کا دورہ کرتے تھے۔ کہکشاؤں میں بلیک ہولز بھی بغیر دوربینوں کے انہوں نے دریافت کئے۔ انہوں نے بغیر ایندھن کے ہوائی جہاز بھی اڑائے تھے۔ اس بارے میں ایک خاتون نینسی لائیڈر کی پیشین گوئیوں کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ تاہم ناسا (NASA) اور دیگر سائنسدانوں نے نبیرو نامی کسی سیارے کی سختی سے تردید کی ہے۔ 21 دسمبر 2012ء میں ابھی تقریباً پانچ ہفتے باقی ہیں اور یہ سطور قارئین کے سامنے 21 دسمبر کے بعد آئیں گی۔ ہم میں جو زندہ ہوں گے وہ دیکھ لیں گے کہ 21 دسمبر بھی باقی دنوں کی طرح ہی گذر گیا ہے۔

انسانی اکتسابی علم چونکہ ارتقائی مراحل میں ہے۔ اس لئے اس کا رُخ ادنیٰ سے اعلیٰ یا سادگی سے پیچیدگی کی طرف ہے' اور یہ محض اللہ تعالیٰ کی انسان پر کرم نوازی ہے کہ اس نے کائنات میں قوانین فطرت کا رُخ بھی سادگی سے پیچیدگی کی جانب رکھا ہے۔ اگر یہ رخ

الٹا ہوتا تو انسان نے کائنات کے بارے میں جو علم حاصل کیا ہے شائد وہ بھی حاصل نہ کر پاتا۔ ابتداء میں اسی سادگی کے پیش نظر بقول اسٹیفن 19 ویں صدی کے آخر تک سائنسدانوں کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ کائنات کی مکمل حقیقت کو سمجھنے کے قریب پہنچ چکے ہیں۔ ان کا خیال تھا کہ خلا ایک مسلسل Medium یعنی ایتھر (either) سے پر ہے۔ اور روشنی کی شعاعیں اور ریڈیو سگنلز اس میں لہروں کی صورت میں موجود ہیں۔ اب مکمل یونیفائڈ تھیوری کے لئے صرف ایتھر کی لچکدار خصوصیات (elastic properties) کو احتیاط سے ناپنے کی ضرورت ہے۔ ابھی اسے ناپنے کی تیاریاں ہو ہی رہی تھیں کہ خود ایتھر کے بارے میں شکوک پیدا ہونے شروع ہو گئے' اور آخر کار 1905ء میں آئن سٹائن کے ایک مقالے کے بعد ایتھر کو سرے سے ہی غیر ضروری قرار دے دیا گیا۔ اسٹیفن کہتے ہیں

"Einsterin had over thrown two of the absolutes of ninteneth century's science: absolute rest as represented by the ether, and absolute or universal time"

دراصل نئے نئے سائنسی نظریات اور خصوصاً نیوٹن کے نظریۂ تجاذب کی کامیابی سے سائنسدان کائنات کو مکمل طور پر ایک طے شدہ (completely dertermistic) معاملہ سمجھتے تھے۔ اسی یقین کے تحت فرانس کے ایک سائنسدان مارکس۔ ڈی۔ لاپلیس نے استدلال دیا تھا کہ کائنات چونکہ مکمل طور پر طے شدہ ہے اس لئے انہوں نے بقول سٹیفن تجویز کیا

"Laplace suggested that there should be a set of scientific laws that would allow us to predict every thing in the universe, if we can know the complete state of the universe at one time."

سائنسی جبریت (Scientific determinism) کے نظریئے کو خیر باد کہنے کا ابتدائی اشارہ اس وقت ملا جب لارڈ ریلے اور سر جیمز جینز (یہ کیمبرج میں علامہ مشرقی کے استاد تھے) کے اعداد و شمار نے یہ قیاس پیش کیا کہ ایک ستارے جیسی گرم چیز یا جسم لامتناہی شرح سے توانائی خارج کرے گا۔ اس وقت کے یقین کردہ قوانین کے مطابق ایک گرم جسم کو برقناطیسی لہریں مثلاً ریڈیائی لہریں' نظر آنے والی روشنی یا ایکس ریز تمام تعدد پر برابر خارج کرنی چاہئیں۔ مثلاً ایک گرم جسم کو دس کھرب سے بیس کھرب لہریں فی سیکنڈ کے تعدد والی لہروں میں توانائی کی اتنی ہی مقدار' ریڈیائی لہروں کی صورت میں خارج کرنی چاہئے جتنی کہ بیس کھرب سے تیس کھرب لہریں فی سیکنڈ تعدد والی لہروں میں کرنی چاہئے اب چونکہ فی سیکنڈ لہروں کی تعداد غیر محدود ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ خارج ہونے والی لہروں کی توانائی بھی لامحدود ہوگی۔

اس واضح طور پر مضحکہ خیز نتیجے (Ridiculous result) سے بچنے کے لئے بقول اسٹیفن:

"The german scientist max plank suggested in 1900 that light rays, and other waves could not be emitted at an arbitrary rate but in certain packets that he called quanta more ever, each quantum had a certain amount of energy that was greater the higher of the frequency of the waves".

یعنی ہر کوانٹم کی توانائی مخصوص تھی، جو لہروں کے تیز ہونے پر زیادہ ہوتی تھی۔ اس طرح خاصے تیز تعدد (frequency) پر ایک واحد کوانٹم کا اخراج مہیا توانائی سے زیادہ کا طالب ہوسکتا تھا۔ لہٰذا تیز تعدد پر خارج ہونے والی لہریں تک کم ہو جائیں گی اور اس طرح جسم کی توانائی ضائع ہونے کی شرح متناہی ہو جائے گی۔ اس طرح میکس پلانک نے کوانٹم تھیوری کی بنیاد رکھی۔ گو اس نظریے کو ایک اور جرمن سائنسدان ورنر ہایزن برگ کے وضع کردہ مشہور اصول غیر یقینی (Principle of uncertainty) کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔ لیکن طوالت سے بچنے کے لئے پہلے کوانٹم تھیوری کے بنیادی اصولوں اور قوانین کو بیان کیا جائے گا اور انشاء اللہ دوسرے مضمون میں اصول غیر یقینی پر بات کر کے بحث کو مکمل کیا جائے گا۔

"Quanta" دراصل کوانٹم کی جمع ہے اس کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

"The indivisible unit in which waves may be absorbed or emitted"

میکس پلانک نے روشنی کے جذب و اخراج کو کوانٹا سے نتھی کر دیا جس کی مزید وضاحت آئن سٹائن نے یوں کی۔ اسٹیفن کہتے ہیں۔

"In one of his ground breaking paper, written in 1905 when he was at the pantent office, einstein showed that plank's guantum hypothesis could explain what is called the photo electric effect, the way certain metal, give off detectors when light falls on them. This is the basis of modern light obeteetors and television camares, and it was for this work that einstein was awarded noble prize for physics in 1921."

پینل اور جنرل اضافیت نظریہ کے بانی البرٹ آئن سٹائن 1879ء میں جرمنی کے شہر ULM میں پیدا ہوئے تھے۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ سوئٹزرلینڈ میں ایک دفتر جس کا نام Pantent Office تھا میں کام کرتے رہے پھر جرمنی چلے آئے اور جب یہودیوں کے خلاف نازیوں نے مہم شروع کر دی تو وہ امریکہ چلے گئے۔ جرمنی میں ان کے اور ان کی تھیوریز کے خلاف ''سو مصنفین''

نامی ایک کتاب شائع کی گئی۔انہوں نے اِس کا جواب دیا۔

"Why one hundred? If I were wrong, one would have been enough."

1948ء میں جب انہیں اسرائیل کی صدارت کی پیشکش کی گئی تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہا

"Politics is for the moment, but an equation is for eternity."

اسٹیفن ہی کہتے ہیں کہ

"Einstein continued to work on quantum idea into the 1920's but he was deeply disturbed by the work of werner heisenburg in copenhagin, paul dirac in cambridge and erwen shrodinger in zurich, who developed a new picture of reality called quantum mechanics'

کوانٹم میکینکس سائنس میں غیر یقینیت اور عدم تعین کا ایک ناگزیر عنصر متعارف کرواتی ہے۔

آئن سٹائن اس پر سخت معترض ہوئے حالانکہ انہوں نے خود ان خیالات کے ارتقاء میں اہم کردار ادا کیا تھا۔کوانٹم نظریے کے لئے آئن سٹائن کے کام پر اسے نوبل پرائز ملا تھا مگر اس کے باوجود آئن سٹائن نے کبھی یہ تسلیم نہیں کیا کہ کائنات پر ''اتفاق'' کی عملداری ہے۔اس کے احساسات کا خلاصہ اس کے مشہور مقولے میں اس طرح بیان ہوا ہے۔"God does not play dice" یعنی خدا چوسر (جواء) نہیں کھیلتا۔اس مقولے پر آئندہ آنے والے مضمون میں مزید بات کی جائے گی۔

کوانٹم میکینکس عام طور پر ایک مشاہدے کے لئے واحد قطعی نتیجے کی پیشن گوئی نہیں کرتی اس کی بجائے وہ کئی مختلف ممکنہ نتائج (different possible outcome) کی پیشن گوئی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا امکان کیا ہے۔کوانٹم میکینکس اور خاص کر نظریہ غیر یقینی کے احتمالات پر مبنی نتائج سے آئن سٹائن بہت پریشان تھا۔بقول اسٹیفن:

"Einstein was horrified by this random, unpredictable elements in the basic laws and never fully accepted quantum machanics..... Most other scientistic however, accepted the validity of the new quantum laws because of the explanation they gave for a whole range of previously unaccounted for phenomena and their excellent aggrement with observation. They are the basis of modern development in chemistey, moliculor biology and

electronics, and the foundation for the technology that has transformed The world in the last fifty years."

یقیناً یہ ایک اہم اور کامیاب نظریہ ہے لیکن اسے ابھی تک مکمل طور پر سمجھا نہیں جا سکا۔ کیونکہ کشش ثقل (Gravitational force) اور بڑے پیمانے کی کائناتی ساخت جیسے طبعیات کے شعبے (Structures) ایسے ہیں جن پر اب تک اس نظریے کا اطلاق نہیں ہوسکا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوانٹم میکینکس کا تعلق صرف چھوٹے اجسام سے ہے۔ اسٹیفن نے اس کی تعریف یوں کی ہے:

"The physical laws that govern the realm of the very small, such as atams, protons and the like, developed from plank's quantum principle and heisenberg's uncertaintly principle."

اس کے برعکس عمومی نظریہ اضافیت کائنات میں وسیع پیمانے پر بڑے بڑے اجسام فلکی کے قوانین کی وضاحت کرتا ہے۔ نظریہ اضافیت اس لئے نامکمل ہے کہ اس میں کوانٹم میکینکس کا نظریہ شامل نہیں اس لئے یہ نظریہ بگ بینگ کی وضاحت مکمل طور پر نہیں کرسکتا۔ سٹیفن کہتے ہیں۔

"The reason general relativity brokedown at the big long was that it was not compatible with quantum theory."

دوسری طرف کوانٹم تھیوری بھی نامکمل نظریہ ہے کیونکہ اس میں کشش ثقل کا نظریہ شامل نہیں۔

بقول اسٹیفن کوانٹم میکینکس کا نظریہ اب بالکل ہی نئی قسم کی ریاضی پر مبنی ہے۔ جو حقیقی دنیا کو زرے اور لہروں کی اصطلاحات میں بیان نہیں کرتی۔ بلکہ مشاہدات عالم ہی کو ان اصطلاحوں میں سمجھا جا سکتا ہے۔ لہٰذا ذرے اور لہروں کے درمیان ایک ثانویت یا دہرا پن (Duality) ہے۔ یعنی اسٹیفن کے اپنے الفاظ میں:

"For some purposes it is helpful to think of particles as waves and for ther purposes it is better to think of waves as particle."

وہ کہتے ہیں کہ اس کا ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ لہروں اور ذرات کے دو گروہوں کے مابین مداخلت کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لہروں کے ایک گروپ کے Crests ذرے کے نشیب (Troughs) سے مل سکتے ہیں جو دوسری طرف سے منعکس ہوتے ہیں جو توقع کے مطابق مل کر ایک مضبوط تر لہر بنانے کی بجائے ایک دوسرے کو زائل کر دیتے ہیں۔

بیسویں صدی کی ابتدائی تین دہائیوں تک، نئے نئے نظریات کی موجودگی نے یہ واضح کر دیا تھا کہ نیوٹن کا نظریہ Atomic اور

Sub Atomic سطح پر اشیاء فطرت کی درست وضاحت نہیں کرتا۔ یہ اور اس جیسی دیگر کلاسیکل تھیوریز کائنات کی قوتوں (Forces) کی وضاحت کرتی ہیں اور یہ بھی بتاتی ہیں کہ بڑے اجسام کا ان قوتوں کے ساتھ ردِعمل کیسے ہوتا ہے۔ اسٹیفن کے مطابق

"Classical theories such as newton's are built upen a framework reflecting every day experience, in which material objects have an independent existance, can be located at definite locations, follow definite paths and so and, quantum physics provide a frame work for unalerstanding how nature operates on atomic and sul atomic scales. It dictates a completely different conceptual scheme, one in which as objects position, path and even its past and future are not precisely determined."

نظریۂ اضافیت اور کوانٹم فزکس میں یہ ایک بنیادی فرق ہے جو اوپر بیان ہوا ہے۔ یعنی بقول اسٹیفن اصول غیر یقینی نے لاپلیس کے اس خواب کو پاش پاش کر دیا ہے جو ایک ایسے سائنسی نظریے اور کائناتی ماڈل کی تلاش میں تھا جو مکمل طور رجبریت کا حامل ہو۔ باایں ہمہ اسٹیفن یہ بھی کہتے ہیں کہ:

"So the components of every day objects obey quantum physics, newton's laws form an effective theory that describes very accurately how the composite structures that form our everyday world behave.... What we do know is that the components of all objects obey the laws of quantum physics, and the newtonian's laws are a good approximation for describing the way macrosfopic objects, made of those quantum components behaves."

کوانٹم میکینکس کی چند دیگر خصوصیات (Properties) مختصر الفاظ میں یہ ہیں۔

1. "Quantum physics is a new model of reality that gives us a picture of the universe. It is a picture in which many concepts fundamental to our intuitive understanding of reality no longer have meaning.

2. "Quantum physics might seem undermine the idea that nature is governed by laws, but that is not the case instead it leads us to accept a new form of

determinism."

3. "Quantum physics tells us that nothing is located at a definite point because if it were, the uncertainty in momentum would have been infinite."

4. "Infact according to Quantum physics, each particle has some probability of being found and where in the univers."

5. "if you kick out a quantum lucky ball and let it fly, no amount of skill or knowledge will allow you to say in advance exactly where it will lanch."

ایک امریکن سائنسدان رچرڈ فین مین نے لکھا تھا کہ

" I think i can safely say that nobody under stands quantum mechanics."

لیکن اسٹیفن کا کہنا ہے کہ:

"But quantum physics agrees with observation, it has never failed a test, and it has been tested more than any other theory in science."

عمومی نظریہ اضافیت اور کوانٹم فزکس کے ذریعے سائنسدان کائنات کو سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں۔ سائنسدانوں کے نزدیک یہ دونوں نظریات درست ہیں لیکن ان کے مابین کچھ اختلافات بھی ہیں۔ جن میں خلاء، وقت اور کشش ثقل اہم ہیں۔ علاوہ ازیں ان دونوں نظریات میں کائنات کی توجیہات بھی مختلف ہیں۔ تاہم سائنسدان ان دونوں نظریات میں ہم آہنگی اور یکجائی پیدا کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور امید کررہے ہیں کہ وہ اس مقصد میں جلد ہی کامیاب ہوجائیں گے۔ ابھی چند سال قبل ''میکس پلانک انسٹی ٹیوٹ فار گریویٹیشنل فزکس جرمنی'' سے تعلق رکھنے والے سائنسدان مارٹن بوہوالڈ نے سمولن کے وضع کردہ loope quantum gravity (L.Q.G.) کا استعمال کرکے خلاء اور وقت دونوں کی کوانٹم میکانیاتی بنیادوں پر تشریح کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اضافیت اور کوانٹم میں کتنا ہی اختلاف ہو، بگ بینگ کی معقول وضاحت کیلئے ان دونوں کو ایک نظریہ میں یکجا کرنے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

اس مضمون کا زیادہ تر مواد اسٹیفن ہاکنگ کی مندرجہ ذیل کتابوں سے لیا گیا ہے۔ (بریف ہسٹری آف ٹائم) (یونیورس ان نٹ شیل) (گرینڈ ڈیزائن) (بلیک ہولز اینڈ بے بی یونیورس) اس کے علاوہ (گلوبل سائنس بابت ماہ جون 2004ء اور اگست 2010ء) (ظہور مہدی تک، کا باب 2012ء کیوں اہم ہے، از ابوعبداللہ آصف مجید) (Glowafter Creation از مارکس شاؤن) سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

حضرت عزیر کی طرف منسوب آیۂ کریمہ کی وضاحت

سورۂ بقرہ کی آیۂ کریمہ 259 میں جو حالات بطور مثال کے بیان کئے گئے ہیں ہمارے مفسرین کرام نے ان حالات کو حضرت عزیر کی طرف منسوب کیا ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس آیت کا کوئی بھی تعلق حضرت عزیر سے نہیں بنتا۔ آپ پہلے آیۂ کریمہ، اس کا ترجمہ اور اس کی روایتی تفسیر ملاحظہ فرمائیں۔ اس کے بعد اس آیت سے متعلق گذارشات پیش خدمت عالی کی جائیں گی۔

ارشاد عالی ہے اَوۡ کَالَّذِیۡ مَرَّ عَلٰی قَرۡیَۃٍ وَّہِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوۡشِہَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ ہٰذِہِ اللّٰہُ بَعۡدَ مَوۡتِہَا ۚ فَاَمَاتَہُ اللّٰہُ مِائَۃَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَہٗ ؕ قَالَ کَمۡ لَبِثۡتَ ؕ قَالَ لَبِثۡتُ یَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ یَوۡمٍ ؕ قَالَ بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَۃَ عَامٍ فَانۡظُرۡ اِلٰی طَعَامِکَ وَشَرَابِکَ لَمۡ یَتَسَنَّہۡ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰی حِمَارِکَ وَلِنَجۡعَلَکَ اٰیَۃً لِّلنَّاسِ وَانۡظُرۡ اِلَی الۡعِظَامِ کَیۡفَ نُنۡشِزُہَا ثُمَّ نَکۡسُوۡہَا لَحۡمًا ؕ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَہٗ ۙ قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (2:259)۔ (ترجمہ) (اے رسول تم نے) مثلاً اس پر بھی نظر کی جو ایک گاؤں پر سے گذرا اور وہ ایسا اُجڑا تھا کہ اپنی چھتوں پر ڈھے کے گر پڑا تھا۔ یہ دیکھ کے وہ بندہ کہنے لگا اللہ اب اس گاؤں کو کیونکر آباد کرے گا۔ اس پر خدا نے اس کو مار ڈالا اور سو برس تک مردہ رکھا پھر اس کو جلا اٹھایا (تب) پوچھا تم کتنی دیر پڑے رہے۔ عرض کی ایک دن پڑا رہا یا ایک دن سے بھی کم۔ فرمایا نہیں تم اس حالت میں سو برس پڑے رہے۔ اب ذرا کھانے پینے کی چیزوں کو تو دیکھو کہ بُسی تک نہیں اور ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ اس کی ہڈیاں ڈھیر پڑی ہیں اور یہ سب اس واسطے کیا کہ لوگوں کے لئے تمہیں قدرت کا نمونہ بنائیں۔ اور اب گدھے کی ہڈیوں کی طرف نظر کرو کہ ہم کیوں کر ان کو جوڑ جاڑ ڈھانچہ بناتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ پس ان پر جب ظاہر ہوا تو بے ساختہ بول اُٹھے کہ اب میں جانتا ہوں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

آیت کریمہ کی تفسیر کے ذیل میں حضرت علامہ عثمانی نے تحریر فرمایا ہے:

وہ شخص حضرت عزیر پیغمبر تھے اور تمام توریت ان کو یاد تھی۔ بخت نصر کافر بادشاہ تھا۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی

اسرائیل سے بہت لوگوں کو قید کر کے لے گیا ان میں حضرت عزیر بھی تھے جب قید سے چھوٹ آئے تب حضرت عزیر نے راہ میں ایک شہر دیکھا ویران۔ اس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے جی میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیوں کر حق تعالیٰ ان کو جلا دے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اسی جگہ ان کی روح قبض ہوئی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا۔ سو برس تک اسی حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آ کر دیکھا نہ ان کی خبر ہوئی۔ اس مدت میں بخت نصر بھی مر گیا اور کسی بادشاہ نے اس مدت میں بیت المقدس کو آباد کیا اور اس شہر کو بھی خوب آباد کیا۔ پھر سو برس بعد حضرت عزیر زندہ کئے گئے۔ ان کا کھانا اور پینا اسی طرح پاس دھرا ہوا تھا۔ ان کا گدھا جو مر چکا تھا اور اس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں۔ وہ اُن کے روبرو زندہ کیا گیا اور اس سو برس میں بنی اسرائیل قید سے خلاص ہو کر شہر میں آباد بھی ہو چکے تھے۔ حضرت عزیر نے زندہ ہو کر آباد ہی دیکھا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا آیۂ کریمہ میں الذی سے مراد اکثر مفسرین نے حضرت عزیر کو لیا ہے۔ اور بعض مفسرین نے اس سے مراد حضرت خضر کو لیا ہے۔ جن کا قرآن کریم میں نہ نام ملتا ہے اور نہ ہی کسی جگہ ان کا تذکرہ موجود ہے۔ بہرحال بیشتر مفسرین نے اِس آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے کہ یہ واقعہ کسی ذات سے منسوب ہے۔

لیکن اصل یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق کسی بھی شخصیت سے نہیں ہے بلکہ اس آیت میں ایک بات مثال کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ اس آیت میں مشبّہ بہ حقیقتاً خارج میں موجود نہیں ہے بلکہ مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں بیشتر ایسے مقامات ہیں جہاں مختلف مسائل بیان کرتے ہوئے مثالوں سے کام لیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ (13:17)۔ یوں خدا مثالیں بیان فرماتا ہے۔ یا اسی طرح فرمایا يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (14:25)۔ اور خدا لوگوں کے واسطے اس لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ لوگ نصیحت و عبرت حاصل کریں۔ اسی طرح ارشاد ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ (14:24)۔ (اے رسول) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے اچھی بات کی کیسی اچھی مثال بیان کی ہے گویا کہ ایک پاکیزہ درخت ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ (18:32)۔ (ترجمہ۔ اور (اے رسول) ان لوگوں سے ان دو شخصوں کی مثال بیان کرو کہ ان میں سے ایک کو ہم نے انگور کے دو باغ دے رکھے تھے۔ اسی طرح فرمایا گیا فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَاۤ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ (41:11)۔ تو اس سے اور زمین سے فرمایا کہ تم دونوں آؤ خوشی سے یا کراہت سے دونوں نے عرض کی ہم خوش خوش حاضر ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک مثال ہے واقعاً زمین و دھواں چل کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر نہیں ہوئے تھے۔

یہاں تک یہ عرض خدمت کیا گیا ہے کہ اس پوری آیۂ کریمہ میں او کالذی کے متعلق یہ بات ثابت ہے کہ اس آیت میں مشبّہ بہ کوئی خارج میں موجود نہیں ہے۔ نہ اس آیت کا تعلق حضرت عزیر یا حضرت خضر سے ہے۔ یہاں مثال کے طور پر بالفرض و بالتقدیر یہ بات بیان کی گئی ہے۔

یہ بات بھی واضح رہے کہ فعل ماضی پر اسم موصول داخل ہو تو وہ اُسے مضارع بنا دیتا ہے۔ یہاں مَرَّ فعل ماضی پر الذی اسم موصول داخل ہوا ہے۔ اس لئے یہ واقعہ نہیں ہے بلکہ اسی طرح کی مثال بیان ہو رہی ہے جیسے اِس آیت کے معطوف علیہ **مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا** (2:17)۔ میں استوقد فعل ماضی پر الذی اسم موصول داخل ہوا ہے اور جس طرح وہاں کوئی حقیقی واقعہ وقوع پذیر نہیں ہوا تھا کہ کسی نے آگ جلائی جسے اللہ نے بجھا دیا' اسی طرح یہاں بھی کوئی حقیقی واقعہ وجود پذیر نہیں ہوا کہ کوئی شخص مردہ بستی پر سے گذرا اور اسے اللہ نے اس کے اس کہنے پر کہ اللہ اس بستی کو کس طرح زندہ کرے گا' سو سال کے لئے مار ڈالا تھا۔ اور پھر زندہ کیا تھا۔ اِس پوری وضاحت کے بعد اب آپ اس آیۂ کریمہ کا وہ مفہوم ملاحظہ فرمائیں جو مفہوم القرآن میں دیا گیا ہے۔ بات بالکل واضح ہو جائے گی۔

ایک شخص کا گذر ایک ایسی بستی پر ہوا جس کے مکانات مسمار ہو کر کھنڈر بن چکے تھے۔ اس نے کہا کہ کیا اس قسم کی ویران بستی کو' اس کی موت کے بعد' پھر سے زندگی مل سکتی ہے اللہ نے اُسے ایک سو سال تک موت کی حالت میں رکھا اور اس کے بعد اُسے دوبارہ زندگی عطا کر دی۔ اس سے پوچھا گیا کہ تم بھلا کتنی مدت تک اس حالت میں رہے ہو۔ اس نے کہا بس ایک آدھ دن۔ اللہ نے کہا تم سو سال تک اس حالت میں رہے ہو' بایں ہمہ' دیکھو' کہ تمہارا کھانا اور پانی تک خراب نہیں ہوا' اسی طرح تمہارا گدھا بھی ویسا ہی کھڑا ہے۔ یہ اس لئے کیا گیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے اس بات کی نشانی بن جاؤ کہ (قانون خداوندی کی رُو سے مردہ اقوام کو بھی زندگی مل سکتی ہے)۔ کیا تم جنین کی حالت پر غور نہیں کرتے کہ ہم کس طرح خون کے لوتھڑے سے ہڈیاں اُبھارتے ہیں۔ اُنہیں سخت کرتے ہیں۔ پھر ان پر گوشت پوست چڑھا کر' اُنہیں ایک جیتا جاگتا بچہ بنا دیتے ہیں۔

جب اس مثال کے ذریعے اس پر بات واضح ہو گئی تو اس نے کہا کہ ہاں اب میں نے سمجھ لیا کہ اللہ نے ہر شے کے پیمانے مقرر کر رکھے ہیں اور اُن پر اس کا پورا کنٹرول ہے۔ موت و حیات کے فیصلے بھی اُنہیں پیمانوں کے مطابق ہوتے ہیں۔ آپ اس آیت کو صرف ایک مثال کے طور پر پیش نگاہ رکھیں تو آیت سمجھنے میں دقت نہیں ہو گی۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

غلام باری (مانچسٹر)

انسانوں پر انسانوں کی حکومت و محکومیت شرک ہے

قسط 2

قرآن کریم میں شرک سے ممانعت ہے وَاعۡبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا (4:36)۔ اور اللہ (قوانین خداوندی) کی محکومیت واطاعت اختیار کرو اور اُن میں انسانوں کے خودساختہ قوانین کو شامل نہ کرنا۔ سورۃ الانعام میں اللہ نے شرک کو حرام قرار دیا ہے (یا لازم قرار دیا ہے کہ شرک نہ کیا جائے)۔ اس مقام پر قرآن کریم نے اپنے چند ایک بنیادی احکام کو مرتکز کر کے یکجا بیان کیا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ قُلۡ تَعَالَوۡا اَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمۡ عَلَیۡکُمۡ اَلَّا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا۔ ان سے کہو آؤ! میں تمہیں بتاؤں کہ تمہارے نشوونما دینے والے نے تم پر کن باتوں کو واجب قرار دیا ہے۔ یہ کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ۔ (یعنی اُس کے قانون کے ساتھ کسی اور کے قانون کو واجب الاتباع نہ سمجھو۔ اطاعت صرف اللہ کے قوانین کی کرو، ان کی اطاعت کرنے کے لئے قرآنی حکومت کی ضرورت ہے)۔ وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ (وہ بڑھاپے کی وجہ سے تمہاری نگرانی اور مدد کے محتاج ہیں۔ اُن کی مدد کرو اس طرح جو کمی اُن میں آ گئی ہے اِسے پورا کرو)۔ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَکُمۡ مِّنۡ اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُکُمۡ وَ اِیَّاہُمۡ ۚ۔ اپنی اولاد کو اس خدشہ سے کہ اُن پر خرچ کر کے تم غریب ہو جاؤ گے، صحیح تعلیم و تربیت اور نشوونما سے محروم نہ رکھو۔ ہمارا نظام (جو انسانی دنیا میں انسانوں کے ہاتھوں قائم کیا جاتا ہے) اس بات کی ذمہ داری لیتا ہے کہ وہ تمہارے لئے اور تمہاری اولاد کے لئے سامان زیست مہیا کرے گا۔ وَلَا تَقۡرَبُوا الۡفَوَاحِشَ مَا ظَہَرَ مِنۡہَا وَمَا بَطَنَ ۚ۔ بے حیائی کی باتوں کے قریب بھی نہ پھٹکو خواہ وہ کھلی ہوئی بے حیائی ہو یا پوشیدہ۔ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِیۡ حَرَّمَ اللّٰہُ اِلَّا بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکُمۡ وَصّٰکُمۡ بِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ۔ کسی جان کو جسے اللہ نے واجب الاحترام قرار دیا ہے، ناحق قتل مت کرو۔ (ناحق قتل نفس بڑا سنگین جرم ہے جس کی وجہ سے ساری قوم عذاب میں مبتلا ہے وَاتَّقُوۡا فِتۡنَۃً لَّا تُصِیۡبَنَّ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡکُمۡ خَآصَّۃً ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ (8:25)۔ نزول قرآن کے زمانہ میں اہل کتاب مذہبی لحاظ سے ٹھیک اُسی پوزیشن میں تھے جہاں آج روایات میں اُلجھی ہوئی مسلمان قوم کھڑی ہے۔ اس لئے جو کچھ قرآن کریم میں اہل کتاب کے متعلق کہا گیا ہے اس کا اطلاق ہم پر بھی کم و بیش اسی طرح ہوتا ہے۔ اہل کتاب مذہب کی جزیات و فروعی مسائل میں الجھے رہتے تھے لیکن دین کی اصل و اساس کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے تھے۔ دین کی اصل و اساس ہے لاالہ الا اللہ۔ ان الحکم الا للہ۔ لانعبد الا اللہ۔ اللہ ہی حاکم اعلیٰ ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی حکمرانی کو تسلیم نہ کیا جائے۔ اُس کے سوا کسی کے قوانین و احکام کی اطاعت نہ کی جائے۔ آپ اپنی تاریخ پر نگاہ ڈالئے صدرِ اوّل کے بعد اہل کتاب کی طرح جب ہماری گاڑی صراطِ مستقیم سے ہٹ کر دوسری پٹڑی پر

جا پڑی تو ہم بھی فروعات میں اُلجھ گئے اور آج تک اُلجھے چلے آ رہے ہیں۔ ہمارے خطیب حضرات کے منہ سے کبھی کبھار سہواً دین کا لفظ نکل جاتا ہے لیکن قیامِ دین کی بات کبھی نہیں کرتے۔ یہودیت وعیسائیت مذہب والوں سے فوجی حکومت یا ڈیموکریسی کے لئے مفاہمت کا سوال نہیں تھا بلکہ یہ کہہ کر دین کی دعوت دی گئی تھی کہ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (3:64)۔ تم ان یہود و نصاریٰ (دونوں) سے کہو کہ ان جزئی باتوں کو چھوڑو، اس اصل الاصول کی طرف آؤ جس کے ماننے کے تم بھی دعویدار ہو اور جس کی طرف ہم بھی دعوت دیتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی اور (کے قوانین) کی محکومی اختیار نہ کی جائے۔ اُس کے اس اقتدار و اختیار میں کائنات کی کسی شے کو شریک نہ کیا جائے۔ یعنی نہ ہی اُس کے سوا، ہم ایک دوسرے میں سے کسی (انسان) کو خدائی اختیارات کا حامل (Lord, ruler, master or feudal superior) بنائیں۔ اگر یہ لوگ توحید کے اس مرکزی نقطہ پر جمع ہو جائیں تو ہوالمراد۔ اور اگر اس سے روگردانی کرنا چاہیں تو ان سے کہہ دو تم جس طرف جانا چاہتے ہو جاؤ۔ ہم صرف خدائے واحد (جو سب کا خالق۔ رازق۔ مالک ہے) کے سامنے سر جھکائے ہوئے ہیں۔ اس کا تم خود مشاہدہ کر رہے ہو۔

You Tube پر حضرت یوسفؑ کی فلم میں دکھایا گیا ہے کہ ملک مصر کا کنٹرول دو پارٹیوں کے ہاتھ میں تھا۔ ایک فرمانروا اور اُس کا وزیر (عزیزِ مصر) جو یوسفؑ کو گھر کے کام کاج کے لئے خرید کر لایا تھا اور دوسری پارٹی مذہبی پیشواؤں کا انبوہ تھی۔ یہ بادشاہ کو تحفظ فراہم کرتے تھے اور ان کا کھانا شاہی کچن میں پکوا کر بھیجا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کا آپس میں گٹھ جوڑ تھا، لیکن بادشاہ محتاط رہتا تھا کہ کہیں مذہبی راہنما اس کا تختِ حکومت اُلٹنے کی سازش نہ کر دیں۔ جب زراعت اور خوراک کے نظم و نسق کا کنٹرول یوسفؑ کے ہاتھ میں دیا گیا تو پھر ان کی گرفت ہوئی۔ بادشاہ خود ان کی عبادت گاہ میں گیا اور ان کے بت کو توڑ گرایا۔

یوسفؑ نے حکومتِ الٰہی (دین) قائم کر کے نظامِ ربوبیت رائج کیا اور ساتھ ہی غلاموں کو آزاد کر دیا تھا کیونکہ۔۔۔۔۔ نظامِ خداوندی یعنی دین کے دور میں کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا محکوم نہیں ہوتا، یہ خدا کا فرماں ہے يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ (82:19)۔ عمالِ حکومت (انسان) قوانین خداوندی کے سب سے پہلے اور زیادہ پابند ہوتے ہیں۔ پاکستانی اربابِ حکومت (شیروں) کی طرح کسی کو استثناء نہیں ہوتی، قانون سب کے لئے برابر ہوتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے کچھ عرصہ بعد یکے بعد دیگرے حاکم آئے اور پھر ساتھ ہی مذہبی پیشوائیت وجود میں آتی چلی گئی جو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں عروج پر تھی۔ اُسی زمانے کے فرعون (جابر بادشاہ rular) نے اپنی مملکت کے عمائد و اراکین کو جمع کیا اور کہا کہ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى (79:24)۔ میں تمہاری پرورش کرتا ہوں (کھانے پینے کو دیتا ہوں۔ میں ہی تمہارا اَن داتا ہوں) اس لئے تمہارا سب سے بڑا رب مَیں ہی ہوں۔ (یہ جو موسیٰؑ کہتا ہے کہ تمہارا نشو و نما دینے والا اللہ رب ہے غلط ہے)۔

سورۃ آل عمران میں ہے کہ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ (3:79)۔ (دین کا اصول یہ ہے کہ محکومیت اللہ کے قانون کے

سوا اور کسی کی اختیار نہیں کی جاسکتی۔ اس باب میں اُس کا فیصلہ یہ ہے کہ) کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں کہ اللہ اُسے ضابطۂ قوانین، حکومت اور نبوت عطا کرے، اور وہ لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دے کہ تم اللہ کے قوانین کی جگہ میرے احکام کی اطاعت کرو۔ اس کی تعلیم یہی ہوگی کہ تم سب اللہ کی اس کتاب (ضابطہ قوانین) کی اطاعت سے جس کی تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو، ربانی (یعنی اُس کے نظام ربوبیت کے علمبردار) بن جاؤ۔

آپ تاریخ انسانیت پر غور کیجئے! آپ دیکھیں گے کہ غلامی یا محکومی کی شکلیں کچھ بھی ہیں، دو ہی قوتیں ہیں جو دوسرے انسانوں کو اپنا غلام یا محکوم بناتی ہیں۔ حکمرانی کا اقتدار اور نمائندگان خدا (مذہبی پیشوائیت) کی جلالت۔ حکومت (یا حکمرانی) کا اقتدار محسوس شکل میں سامنے آتا ہے اور اس کی زنجیریں انسانوں کے جسم کو اپنی گرفت میں لیتی ہیں۔ لیکن خود ساختہ نمائندگان خدا کا الوہیاتی اقتدار غیر مرئی اور غیر محسوس ہوتا ہے اور وہ انسان کے قلب و دماغ کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ انسان، لاکھ کوشش کے باوجود ان (ہر دو) قوتوں کی غلامی کے جال سے نکل نہیں سکا۔ ان قوتوں کی گرفت کی شکل وصورت بدلتی رہی لیکن ان کی محکمیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور فرق آئے گا بھی نہیں جب تک عالمگیر انسانیت ربِ کائنات کا نظام ربوبیت قائم کرنے کے لئے اُٹھ نہ کھڑی ہو (83:6)۔ فی الحال تو خود مسلمان اس کی راہ میں روک بن کے کھڑے ہیں۔ کیونکہ ہم نے بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے علماء مشائخ کو خدا سے ورے خدا (اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ 9:31) بنا رکھا ہے۔ یہ حضرات جو کچھ بھی کہیں ہم اُسے ہی صحیح تسلیم کرتے ہیں قرآن جو کہتا ہے کہتا رہے مثلاً قرآن کریم میں محکم اور خوشگوار نظریۂ زندگی اور ناپائیدار غلط نظریۂ زندگی اور نظامِ حیات کے تقابل سے بعد والی آیت ہے یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (14:27) اس محکم نظریۂ زندگی کی رُو سے ایمان والوں کو اللہ دُنیاوی اور اُخروی زندگی (دونوں) میں ثبات اور تمکن عطا کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس نظام حیات کو قائم نہیں کرتے اُن کی کوششیں رائگاں چلی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس کے قانونِ مشیت کے مطابق ہوتا ہے۔ ان کا (مذہبی پیشوائیت کا) فرمان ہے یہ بات نہیں، اس آیت کا مطلب قبر میں سوال و جواب سے ہے۔ قوم فرعون کے متعلق ہے کہ فرعون کی محکومی کے شرک کی وجہ سے اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا ۚ (40:46) وہ اس دنیا میں صبح و شام (ہر وقت) بغض و عداوت، تباہی اور بربادی کے عذاب میں مبتلا رہے۔ ہمارے ہاں یہ عقیدہ عوام میں عام کیا گیا کہ اس آیت سے مراد ہے قبر کا عذاب۔ قرآن کریم کے ساتھ ظلم کرنے والے ایسے لوگوں کے متعلق ہے کہ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ (16:25)۔ (یہ لوگ غلط عقائد وضع کر کے خود بھی غلط روش پر اڑے رہتے ہیں۔ اور چونکہ معاشرہ میں انہیں ممتاز حیثیت حاصل ہوتی ہے، اس لئے ان کی دیکھا دیکھی عوام بھی اسی روش پر چلے جاتے ہیں۔) یہ ہیں وہ لوگ جو یومِ قیامت اپنے اعمال کا پورا بوجھ بھی اپنی پیٹھ پر لادے ہوں گے، اور اُن لوگوں کے اعمال کے بوجھ کا کچھ حصہ بھی، جنہیں یہ اس طرح بر بنائے جہالت گمراہ کر رہے ہیں۔ اُف! کس قدر برا ہوگا وہ بوجھ جسے یہ لوگ اپنے اوپر لادے جا رہے ہیں۔

سورۃ یوسفؑ ہی میں ہی ہے کہ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ (12:106)۔ (ان میں کچھ تو ایسے ہیں کہ قوانین خداوندی سے یکسر انکار کرتے ہیں۔ اور) اکثر ایسے کہ وہ خدا کو مانتے تو ہیں لیکن اس کے ساتھ اور قوتوں کو بھی صاحبِ اقتدار تسلیم کرتے ہیں اور اس طرح مومن کہلانے کے باوجود مشرک کے مشرک رہتے ہیں۔ (ہم مسلمانوں کی حالت)۔ ہماری اس زبوں حالی کے ذمہ دار کون؟ یہ ہیں وہ خرد ماغ مخالفین دیںؔ مذہبی راہزن اور مالدار سیاسی لیڈر جنہوں نے آج تک پاکستان میں دیںؔ نافذ العمل نہیں ہونے دیا جس کا آئین، اللہ کا نازل کردہ قرآن کریم ہے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے جس جگہ کھڑے ہوکر، سرکاری طور پر قرآنی نظام (دیںؔ) کے نفاذ کی خاطر یہ خطۂ زمین حاصل کرنے کے لئے 23 مارچ 1940ء کے دن قرارداد پاکستان کا اعلان کیا تھا، اُسی جگہ مینار پاکستان کے سائے میں کھڑے مذہبی سیاسی مولوی، صوفی طاہر القادری نے 23 دسمبر 2012ء کو لاکھوں افراد کے اجتماع میں سیاست کے متعلق بیان میں انتالیسویں منٹ پر ایک تعجب انگیز غلط بات کہی! اور وہ یہ کہ یہود اور نصاریٰ کو مسلمانوں سے ملا کر حضورؐ نے ریاستِ مدینہ کا آئین مرتب کیا تھا۔ اس نے اسے سیاست محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیا جسے سن کر میرا تو تمام سینہ ہی داغ داغ ہوگیا (معاذ اللہ)۔

قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے متعلق نہایت واضح اور آسان الفاظ میں ہے کہ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ بَدَّلُوا نِعْمَتَ اللَّهِ كُفْرًا وَأَحَلُّوا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ (14:28)۔ تم اقوامِ عالم کی تاریخ پر نگاہ ڈالو اور! اُن راہنمایانِ قوم کی حالت پر غور کرو جنہیں اللہ نے زندگی کی خوشگواریاں اور فراوانیاں عطا کیں۔ لیکن اُنہوں نے اُن کی قدر نہ کی (ان کا غلط استعمال کیا) اور اپنی ملت کے کارواں کو ایسی منڈی میں لاکر کھڑا کر دیا جس میں ہر طرف کساد بازاری تھی، جہاں اس جنس کا سدا کوئی خریدار نہ تھا۔ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ (14:29)۔ یعنی انہیں تباہی اور بربادی کے جہنم میں جھونک دیا۔ اور یہ کیسی بری جگہ تھی جہاں اُنہوں نے اس قافلہ کو اُتارا۔ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِّيُضِلُّوا عَن سَبِيلِهِ قُلْ تَمَتَّعُوا فَإِنَّ مَصِيرَكُمْ إِلَى النَّارِ (14:30)۔ انہوں نے کیا یہ کہ (نام تو لیتے رہے قوانین خداوندی کا لیکن) اس کے ہم پایہ ٹھہراتے رہے غیر خداوندی قوانین کو تاکہ اس طرح لوگوں کو خدا کے تجویز کردہ راستے سے بہکا کر دوسرے راستے پر ڈال دیں۔ تم ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم نے بھی ایسی ہی روش اختیار کر رکھی ہے۔ سو اس سے تھوڑے دنوں تک فائدے حاصل کرلو، اس کے بعد تمہارے لئے بھی تباہی اور بربادی ہے۔ (البتہ یہ سچ ہے اتنے بڑے اکٹھ میں طاہر قادری نے اللہ کی حاکمیت یا قوانین خداوندی اور دیںؔ کا نام نہیں لیا)۔ مناسکِ حج سے متعلق آیات کے درمیان اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والوں کی حالت کے فوراً بعد شعائر اللہ کی تعظیم کا ذکر ہے۔ سورۃ مائدہ ہے۔ لَا تُحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ (5:2)۔ شعائر اللہ کی بے حرمتی مت کرو۔ اسلام ایک دین ہے جو مملکت کی شکل میں متمکن ہوتا ہے۔ ایک مملکت کے کچھ شعائر (یعنی علامات Symbols) ہوتے ہیں جن کی تعظیم کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس مملکت کا احترام کرتے ہیں۔ مثلاً کسی سلطنت کا جھنڈا۔ جھنڈا ویسے تو کپڑے کے ایک ٹکڑے سے عبارت ہوتا ہے لیکن یہ نشانی ہوتا ہے اس مملکت کی۔ جھنڈے کے احترام کے معنی یہ ہیں کہ آپ اس مملکت کا احترام کرتے ہیں۔ انہی علامات کو شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا

شعائر اللہ سے مراد اس مملکت کی محسوس علامات ہوں گے جو نظامِ خداوندی (قرآنی نظام) کے نفاذ کے لئے دنیا میں قائم ہو۔ ان شعائر کا احترام درحقیقت ان قوانین کا احترام ہوگا۔ واضح رہے کہ ان شعائر کی پرستش نہیں کی جائے گی۔ صرف ان کا احترام کیا جائے گا اور وہ بھی اس حقیقت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ شعائر (علامات) فی ذاتہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ان کا احترام قوانین خداوندی کے احترام کا محسوس طریق ہے اور بس۔۔۔۔ دنیا میں کوئی ایک بھی مسلمان ایسا نہیں جو شعائر اللہ کا احترام دل میں نہ رکھتا ہو لیکن انسانوں کے خود ساختہ مذہب میں گرفتار مسلم قوم نے ان شعائر اللہ کی تعظیم ہی کو مقصود بالذات قرار دے رکھا ہے۔ اس لئے ہمارے تمام اعمال رسمی اور بے مقصد ہیں۔ اصل مقصد تو دین (قرآنی نظام، نظام الصلوٰۃ) کا قیام و استحکام ہے جس کے یہ شعائر ہیں اور اُس کا مرکز کعبہ ہے اور وہ دنیا میں کسی بھی مسلم ملک میں قائم نہیں ہے۔ اس کے راستے میں فرقوں میں بٹا ہوا ہمارا مذہب اور تصوف رکاوٹ ڈالے ہوئے ہے۔ جیسے ملکہ سبا نے حضرت سلیمانؑ کے سامنے حاضر ہو کر کہا تھا کہ ہمیں آپ کی قوت و ثروت کا احساس پہلے ہی ہو گیا تھا۔ اب ہم آپ کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ (27:43)۔ وہ فرماں پذیری تو اس سے بہت پہلے قبول کر لیتی لیکن جو چیز اس کی راہ میں حائل ہو رہی تھی وہ اس قوم کا مذہب تھا یعنی وہ معبود جن کی وہ قوم خدا کو چھوڑ کر پرستش کرتی تھی۔ قرآن کریم نے یہ کہہ کر ہمیں متنبہ کیا ہے کہ

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ (22:31)۔

صحیح روش زندگی یہ ہے کہ انسان، ہر طرف سے خیال ہٹا کر اپنی توجہات کا مرکز قوانین خداوندی کی اطاعت قرار دے لے اور اس میں کسی اور کی محکومیت کو شامل نہ کرے۔ یاد رکھو! جو شخص خدا کے علاوہ کسی اور کی اطاعت کرتا ہے اور اس کے سامنے جھکتا ہے، وہ شرفِ انسانیت سے محروم ہو جاتا ہے۔ ایسے شخص کی مثال یوں سمجھو گویا وہ آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں پر آ گرا اور ایسا بے کس و بے بس اور بے یار و مددگار رہ گیا جیسے (چڑیا کا بچہ اپنے گھونسلے سے نیچے زمین پر گر جائے تو) اسے چیل جھپٹ کر لے جائے۔ اور ایسا کمزور اور ناتواں ہو گیا ہو کہ ہوا کا ہر تیز جھونکا اسے (پرکاہ کی طرح) اڑائے اڑائے پھرے اور کسی دور دراز گوشے میں پھینک دے۔ یہ حالت ہو جاتی ہے طاقتور قوم کے مقابلہ میں قوانین خداوندی سے اعراض برتنے والی کمزور قوم کی۔ کیا یہ ہماری داستان نہیں؟۔ امریکن، خدا کے قوانین فطرت کے مطابق کائناتی اشیاء کی تسخیر کے زور پر مدتِ دراز سے پاکستانیوں کے گلے میں اقتصادی رسی ڈال کر اپنی مرضی کے ناچ نچوائے چلے جا رہے ہیں۔ اس کے برعکس ہمارے لوگ ذلت آمیز بھیک کی روٹی کے ٹکڑے چھوڑ کر اللہ کے واجب التکریم رزق اور درخشندہ مستقبل کے لئے، پاکستان میں اللہ کے عطا کردہ دستورِ حیات کے مطابق حکومت (دین) قائم کر کے انسانوں کی محکومی و اطاعت سے چھٹکارا پا کر اللہ کی پناہ میں کیوں نہیں آ جاتے؟۔ انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ جو قوم اللہ کی پناہ میں آ جائے اُسے اللہ کی طرف سے حفاظت اور نصرت مل جاتی ہے اس لئے اُسے کوئی گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اللہ اور اُس کے قوانین پر یقین اور بھروسہ شرط ہے۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

محمد اکرم راٹھور

انسانی حقوق

قرآنِ حکیم کی آیت مبارکہ 17:70 کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو بڑی عزت دی، خشکی اور تری کی سواریاں دیں، پاکیزہ روزیاں دیں اور بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ آیاتِ مبارکہ 58-57-10 کے تحت انسانوں کی ہدایت کے لئے قرآنِ مجید نازل فرمایا اور ان سب کی راہنمائی اور اتباع کے لئے آیت مبارکہ 7:158 کے تحت نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا اور انسانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے قرآنِ محفوظ میں بے شمار آیات اتاریں۔

جناب محمد سرور خان صاحب کی تصنیف قرآن: آسمانی منشور آزادی حصہ اوّل کے صفحات 265 سے 269 تک قرآن کے مطابق انسانوں کے لئے مندرجہ ذیل بنیادی حقوق (Fundamental Human Rights According to Quran) دیئے گئے ہیں:

1- پیدائش کے اعتبار سے ہر انسان قابل احترام اور قابل عزت ہے۔ (بنی اسرائیل:70)

2- معاشرے میں سب سے زیادہ قابل عزت وہ ہوگا جو سب سے زیادہ اللہ کے قوانین کا پابند ہوگا۔ (الحجرات:13)

3- کوئی شخص کسی دوسرے کو اپنا غلام اور محکوم نہیں بنا سکتا۔ (العمران:80-79)

4- ہر ایک سے عدل کیا جائے گا۔ دشمن سے بھی عدل و انصاف کیا جائے گا۔ (النحل:90، النساء:135، المائدہ:8)

5- نہ صرف عدل کیا جائے بلکہ احسان بھی کیا جائے گا یعنی دوسروں کی کسی کمی کو پورا کرنا۔ (النحل:90)

6- ہر انسان کی جان کی حفاظت کی جائے گی۔ جان صرف جان کے بدلے لی جا سکتی ہے۔ مثلاً جس نے جانتے بوجھتے کسی انسان کا قتل کیا ہو تو اس کی سزا قتل ہوگی یا کوئی ایسا جرم کہ جس کی سزا قتل ہو۔ (المائدہ:32، الانعام:151، البقرہ:178)

7- ہر ایک کے مال کی بھی حفاظت کی جائے گی۔ (البقرہ:188، النساء:30-29)

8- کوئی انسان کسی دوسرے کا مال چھین نہیں سکے گا۔ (البقرہ 188، النساء 30-29)

9- کسی کو اس کے گھر سے نہیں نکالا جائے گا۔ (البقرہ:85)

10- قانون کی نظر میں سب برابر ہوں گے۔ (البقرہ:286, 123, 148)

11- معاشرے میں درجات کا تعین انسان کے اعمال اور کردار سے ہوگا۔(الاحقاف:19)

12- ہر شخص کو اس کی محنت کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔کسی کی محنت کا استحصال نہیں کیا جائے گا۔(الزمر:70'النجم:39)

13- عصمت وعفت'عزت وآبرو کی حفاظت کا حق ہر انسان کو حاصل ہوگا۔(النور:4,2'الاحزاب:59)

14- شادی/نکاح میں انتخاب کا حق ہر ایک حاصل ہوگا۔(النساء:19,3)

15- حسن وجمال کا ذوق'کسی چیز کے حسین پہلو AESTHETIC ASPECT سے لطف اندوز ہونے کا حق ہر ایک کو ہے۔(الاعراف:32)

16- مذہبی آزادی ہر ایک کے لیے ہے۔(البقرہ:256)

17- غیر مسلم کی عبادت گاہوں کا تحفظ کیا جائے گا۔(الحج:40)

18- غیر مسلموں کے خداؤں کو بھی برا بھلا نہیں کہا جائے گا۔(الانعام:108)

19- حیثیتِ عرفی کا حق (ہتک عزت)۔(النساء:148'الشوریٰ:41-40)

20- جس پر ظلم ہوا وہ اپنے لیے فریاد کرسکتا ہے۔(النساء:148)

21- جب تک کسی کا جرم ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک اسے بے گناہ سمجھا جائے گا۔(النور:16 ,12)

22- ہر انسان کو امن واطمینان سے رہنے کا حق ہے۔(البقرہ:35,36,38)

23- ہر شخص صرف اپنے اعمال کا ذمہ دار ہوگا۔کسی اور کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔(الانعام:164)

24- کسی قانون کے نافذ ہونے سے پہلے کیا ہوا جرم'جرم نہیں کہلائے گا۔(البقرہ:275)

25- ایک دوسرے کے ساتھ ناپ تول پورا کرنا۔معاشی عدل وانصاف کرنا۔(الانعام:152'بنی اسرائیل:35)

26- جو چیزیں قدرتی طور پر مفت ملی ہیں'ان کو روکنا جائز نہ ہوگا۔(بنی اسرائیل:20)

27- وعدہ کو وفا کرنا'ایفائے عہد کرنا۔(بنی اسرائیل:34)

28- معاشرے میں تنہا رہ جانے والے انسانوں یعنی یتیم کے مال کی حفاظت کرنا(بنی اسرائیل:34)

29- قدرتی وسائل کو استعمال کرنے کا حق سب کے لیے یکساں ہونا چاہئے۔اس کا انتظام بھی اس طرح ہوگا کہ ہر ایک کو فائدہ حاصل ہو۔(حم السجدہ:10)

30- ہر فرد کے رزق کی ذمہ داری معاشرے STATE پر ہوگی۔(الانعام:152-151'ہود:6'بنی اسرائیل:31)

جناب محمد سرور خان صاحب تصنیف مذکور کے صفحات 270 سے 279 تک انسانی حقوق کے عالمی منشور کے متعلق لکھتے ہیں:۔

اقوام متحدہ کا وضع کردہ

انسانی حقوق کا عالمی منشور

UNIVERSAL DECLARATION OF HUMAN RIGHTS

10 دسمبر 1948ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں جن بنیادی حقوق کا اعلان کرتے ہوئے ان کو تسلیم کیا گیا اور اختیار بھی کیا گیا اس کے تمام نکات ہم آپ کے لئے لکھ رہے ہیں۔ یو این او کی ویب سائٹ دیکھنے کے لئے UNIVERSAL DECLARATION OF HUMAN RIGHTS کلک کرلیں' ساری دنیا میں لکھی جانے والی زبانوں میں آپ کو اس کا ترجمہ مل جائے گا۔ مندرجہ ذیل میں اس کا اُردو ترجمہ ہم نے U.N.O کی ویب سائٹ سے لیا ہے۔

1948ء کے زمانے میں اس وقت کے اقوام متحدہ کے ممبر ز ممالک کے دانش وروں اور فلسفیوں سے دریافت کیا گیا تھا کہ وہ بتائیں کہ انسانوں کے بنیادی حقوق کون کون سے ہونے چاہئیں' دنیا کے دانش وروں نے بہت سوچ بچار کے بعد جو حقوق وضع کیے' اس کے تمام نکات ہم آپ کے لئے لکھ رہے ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ مسلم ممالک کے دانش وروں نے کیا کچھ لکھ کر دیا ہوگا۔

آرٹیکل:1

تمام انسان آزاد اور حقوق وعزت کے اعتبار سے برابر پیدا ہوئے ہیں۔ انہیں ضمیر اور عقل ودیعت ہوئی ہے اس لئے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارے کا سلوک کرنا چاہئے۔

آرٹیکل:2

ہر شخص ان تمام آزادیوں اور حقوق کا مستحق ہے جو اس اعلان میں بیان کئے گئے ہیں اور اس حق پر نسل' رنگ' جنس' زبان' مذہب اور سیاسی تفریق کا یا کسی قسم کے عقیدے' قوم' معاشرے' دولت یا خاندانی حیثیت وغیرہ کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔

اس کے علاوہ جس علاقے یا ملک سے جو شخص تعلق رکھتا ہے اس کی سیاسی کیفیت دائرہ اختیار یا بین الاقوامی حیثیت کی بنا پر اس سے

کوئی امتیازی سلوک نہیں کیا جائے گا۔ چاہے وہ ملک یا علاقہ آزاد ہو یا تولیتی ہو یا غیر مختار ہو یا سیاسی اقتدار کے لحاظ سے کسی دوسری بندش کا پابند ہو۔

آرٹیکل:3

ہر شخص کو اپنی جان، آزادی اور ذاتی تحفظ کا حق ہے۔

آرٹیکل:4

کوئی شخص غلام یا لونڈی بنا کر نہ رکھا جا سکے گا غلامی اور بردہ فروشی، چاہے اس کی کوئی شکل بھی ہو ممنوع قرار دی جائے گی۔

آرٹیکل:5

کسی شخص کو جسمانی اذیت یا ظالمانہ، انسانیت سوز، یا ذلیل سلوک یا سزا نہیں دی جائے گی۔

آرٹیکل:6

ہر شخص کا حق ہے کہ ہر مقام پر قانون اس کی شخصیت کو تسلیم کرے۔

آرٹیکل:7

قانون کی نظر میں سب برابر ہیں اور سب بغیر کسی تفریق کے قانون کے اندر امان پانے کے برابر کے حقدار ہیں۔ اس اعلان کے خلاف جو تفریق کی جائے یا جس تفریق کے لئے ترغیب دی جائے اس سے سب برابر کے بچاؤ کے حق دار ہیں۔

آرٹیکل:8

ہر شخص کو ان افعال کے خلاف جو اس دستور یا قانون میں دیئے ہوئے بنیادی حقوق کو تلف کرتے ہوں با اختیار قومی عدالتوں سے موثر طریقے پر چارہ جوئی کرنے کا پورا حق ہے۔

آرٹیکل:9

کسی شخص کو محض حاکم کی مرضی پر گرفتار، نظر بند، یا جلاوطن نہیں کیا جائے گا۔

آرٹیکل:10

ہر ایک شخص کو یکساں طور پر حق حاصل ہے کہ اس کے حقوق و فرائض کا تعین یا اس کے خلاف کسی عائد کردہ جرم کے بارے میں مقدمہ کی سماعت آزاد اور غیر جانب دار عدالت کے کھلے اجلاس میں منصفانہ طریقے پر ہو۔

آرٹیکل:11

1-ایسے ہر شخص کو جس پر کوئی فوجداری کا الزام عائد کیا جائے بے گناہ شمار کئے جانے کا حق ہے۔تاوقت یہ کہ اس پر کھلی عدالت میں قانون کے مطابق جرم ثابت نہ ہو جائے اور اسے اپنی صفائی پیش کرنے کا پورا موقع نہ دیا جا چکا ہو۔

2- کسی شخص کو کسی ایسے فعل یا فروگزاشت کی بنا پر جو ارتکاب کے وقت قومی یا بین الاقوامی قانون کے اندر تعزیری جرم شمار نہیں کیا جاتا تھا کسی تعزیری جرم میں ماخوذ نہیں کیا جائے گا۔

آرٹیکل:12

کسی شخص کی نجی زندگی، خانگی زندگی، گھر بار، خط وکتابت میں من مانے طریقے پر مداخلت نہ کی جائے گی اور نہ ہی اس کی عزت اور نیک نامی پر حملے کئے جائیں گے ہر شخص کا حق ہے کہ قانون اسے حملے یا مداخلت سے محفوظ رکھے۔

آرٹیکل:13

ہر شخص کا حق ہے کہ اسے ہر ریاست کی حدود کے اندر نقل وحرکت کرنے اور سکون اختیار کرنے کی آزادی ہو۔

ہر شخص کو اس بات کا حق ہے کہ وہ ملک سے چلا جائے چاہے یہ ملک اس کا اپنا ہو اور اسی طرح اسے ملک میں واپس آ جانے کا بھی حق ہے۔

آرٹیکل:14

ہر شخص کو ایذا رسانی سے دوسرے ملکوں میں پناہ ڈھونڈنے اور پناہ مل جائے تو اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہے۔

یہ حق ان عدالتی کارروائیوں سے بچنے کے لئے استعمال میں نہیں لایا جا سکتا جو خالصتاً غیر سیاسی جرائم یا ایسے افعال کی وجہ سے عمل میں آتی ہیں جو اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف ہیں۔

آرٹیکل:15

ہر شخص کو قومیت کا حق ہے۔کوئی شخص محض حاکم کی مرضی پر اپنی قومیت سے محروم نہیں کیا جائے گا اور اس کو قومیت تبدیل کرنے کا حق دینے سے انکار نہ کیا جائے گا۔

آرٹیکل:16

بالغ مردوں اور عورتوں کو بغیر کسی ایسے پابندی کے جو نسل قومیت یا مذہب کی بنا پر لگائی جائے شادی بیاہ کرنے اور گھر بسانے کا حق

ہے۔مردوں اور عورتوں کو نکاح' ازدواجی زندگی اور نکاح کو فسخ کرنے کے معاملے میں برابر کے حقوق حاصل ہیں۔

نکاح فریقین کی پوری آزاد رضامندی سے ہوگا۔

خاندان' معاشرے کی فطری اور بنیادی اکائی ہے اور وہ معاشرے اور ریاست دونوں کی طرف سے حفاظت کا حق دار ہے۔

آرٹیکل:17

ہر انسان کو تنہا یا دوسروں سے مل کر جائیداد رکھنے کا حق ہے۔کسی شخص کو زبردستی اس کی جائیداد سے محروم نہیں کیا جائے گا۔

آرٹیکل:18

ہر انسان کو آزادی فکر' آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا پورا حق ہے۔اس حق میں مذہب یا عقیدے کو تبدیل کرنے اور پبلک میں یا نجی طور پر تنہا یا دوسروں کے ساتھ مل جل کر عقیدے کے تبلیغ عمل عبادت اور مذہبی رسمیں پوری کرنے کی آزادی بھی شامل ہے۔

آرٹیکل:19

ہر شخص کو اپنی رائے رکھنے اور اظہار رائے کی آزادی کا حق حاصل ہے۔اس حق میں یہ امر بھی شامل ہے کہ وہ آزادی کے ساتھ اپنی رائے قائم کرے اور جس ذریعے سے چاہے بغیر ملکی سرحدوں کا خیال کئے علم اور خیالات کی تلاش کرے انہیں حاصل کرے اور ان کی تبلیغ کرے۔

آرٹیکل:20

ہر شخص کو پرامن طریقے پر ملنے جلنے اور انجمنیں قائم کرنے کی آزادی کا حق ہے۔کسی شخص کو کسی انجمن میں شامل ہونے کے لئے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

آرٹیکل:21

ہر شخص کو اپنے ملک کی حکومت میں براہ راست یا آزادانہ طور پر منتخب کئے ہوئے نمائندوں کے ذریعے حصہ لینے کا حق ہے۔

ہر شخص کو اپنے ملک میں سرکاری ملازمت حاصل کرنے کا برابر کا حق ہے۔

عوام کی مرضی حکومت کے اقتدار کی بنیاد پر ہوگی۔یہ مرضی وقتاً فوقتاً ایسے حقیقی انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائے گی جو عام اور مساوی رائے دہندگی سے ہوں گے اور جو خفیہ ووٹ یا اس کے مساوی کسی دوسرے آزادانہ طریق رائے دہندگی کے مطابق عمل میں آئیں گے۔

آرٹیکل:22

معاشرے کے رکن کی حیثیت سے ہر شخص کو معاشرتی تحفظ کا حق حاصل ہے اور یہ حق بھی کہ وہ ملک کے نظام اور وسائل کے مطابق قومی کوشش اور بین الاقوامی تعاون سے ایسے اقتصادی، معاشرتی اور ثقافتی حقوق کو حاصل کرے جو اس کی عزت اور شخصیت کے آزادانہ نشوونما کے لئے لازم ہیں۔

آرٹیکل:23

(i) ہر شخص کو کام کاج، روزگار کے آزادانہ انتخاب کام کاج کی مناسب و معقول شرائط اور بے روزگاری کے خلاف تحفظ کا حق ہے۔

(ii) ہر شخص کو کسی تفریق کے بغیر مساوی کام کے لیے مساوی معاوضے کا حق ہے۔

(iii) ہر شخص جو کام کرتا ہے وہ ایسے مناسب و معقول مشاہرے کا حق رکھتا ہے جو خود اس کے اور اس کے اہل وعیال کے لیے باعزت زندگی کا ضامن ہو اور جس میں اگر ضروری ہو تو معاشرتی تحفظ کے دوسرے ذریعوں سے اضافہ کیا جا سکے۔

(iv) ہر شخص کو اپنے مفاد کے بچاؤ کے لیے تجارتی انجمنیں قائم کرنے اور اس میں شریک ہونے کا حق حاصل ہے۔

آرٹیکل:24

ہر شخص کو آرام اور فرصت کا حق ہے جس میں کام کے گھنٹوں کی حد بندی اور تنخواہ کے علاوہ مقررہ وقفوں کے ساتھ تعطیلات بھی شامل ہیں۔

آرٹیکل:25

(i) ہر شخص کو اپنی اور اپنے اہل وعیال کی صحت اور فلاح و بہبود کے لیے مناسب معیار زندگی کا حق ہے جس میں خوراک، پوشاک، مکان اور علاج کی سہولتیں اور دوسری ضروری معاشرتی مراعات شامل ہیں اور بے روزگاری، بیماری، معذوری، بیوگی، بڑھاپا یا ان حالات میں روزگار سے محرومی جو اس کے قبضۂ قدرت سے باہر ہوں گے خلاف تحفظ کا حق حاصل ہے۔

(ii) زچہ اور بچہ خاص توجہ اور امداد کے حق دار ہیں۔ تمام بچے خواہ وہ شادی سے پہلے پیدا ہوئے ہوں یا شادی کے بعد معاشرتی تحفظ سے یکساں طور پر مستفید ہوں گے۔

آرٹیکل:26

(i) ہر شخص کو تعلیم کا حق ہے۔ تعلیم مفت ہوگی۔ کم سے ابتدائی اور بنیادی درجوں میں۔ ابتدائی تعلیم جبری ہوگی۔ فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم حاصل کرنے کا عام انتظام کیا جائے گا اور لیاقت کی بناء پر اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا سب کے لیے مساوی طور پر ممکن ہوگا۔

(ii) تعلیم کا مقصد انسانی شخصیت کی پوری نشوونما ہوگا اور وہ انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کے احترام میں اضافہ کرنے کا ذریعہ ہوگی۔ وہ تمام قوموں اور نسلی یا مذہبی گروہوں کے درمیان باہمی مفاہمت، رواداری اور دوستی کو ترقی دے گی اور امن کو برقرار رکھنے کے لیے اقوام متحدہ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھائے گی۔

(iii) والدین کو اس بات کے انتخاب کا اولین حق ہے کہ ان کے بچوں کو کس قسم کی تعلیم دی جائے گی۔

آرٹیکل:27

(i) ہر شخص کو قوم کی ثقافتی زندگی میں آزادانہ حصہ لینے، ادبیات سے مستفید ہونے اور سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد میں شرکت کا حق حاصل ہے۔

(ii) ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ اس کے ان اخلاقی اور مادی مفاد کا بچاؤ کیا جائے جو اسے ایسی سائنس، علمی یا ادبی تصنیف سے جس کا وہ مصنف ہے، حاصل ہوتے ہیں۔

آرٹیکل:28

ہر شخص ایسے معاشرتی اور بین الاقوامی نظام میں شامل ہونے کا حق دار ہے جس میں وہ تمام آزادیاں اور حقوق حاصل ہوسکیں جو اس اعلان میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔

آرٹیکل:29

(i) ہر شخص پر معاشرے کے حق ہیں۔ کیونکہ معاشرے میں رہ کر ہی اس کی شخصیت کی آزادانہ اور پوری نشوونما ممکن ہے۔

(ii) اپنی آزادیوں اور حقوق سے فائدہ اٹھانے میں ہر شخص صرف ایسی حدود کا پابند ہوگا جو دوسروں کی آزادیوں اور حقوق کو تسلیم کرانے اور ان کا احترام کرانے کی غرض سے یا جمہوری نظام میں اخلاق، امن عامہ اور عام فلاح و بہبود کے مناسب لوازمات کو پورا کرنے کے لیے قانون کی طرف سے عائد کیے گئے ہیں۔

(iii) یہ حقوق اور آزادیاں کسی حالت میں بھی اقوام متحدہ کے مقاصد اور اصول کے خلاف عمل میں نہیں لائی جاسکتیں۔

آرٹیکل:30

اس اعلان کی کسی چیز سے کوئی ایسی بات مراد نہیں لی جاسکتی جس سے کسی ملک، گروہ یا شخص کو کسی ایسی سرگرمی میں مصروف ہونے یا کسی ایسے کام کو انجام دینے کا حق پیدا ہو جس کا منشا ان حقوق اور آزادیوں کی تخریب ہو جو یہاں پیش کی گئی ہیں۔

اگر بغور ملاحظہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اقوامِ متحدہ کے وضع کردہ انسانی حقوق کے منشور کے تقریباً تمام آرٹیکلز قرآن مجید میں

دیئے گئے بنیادی انسانی حقوق سے ہی اخذ کئے گئے ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ غیر مسلم اقوام و ممالک ان بنیادی انسانی حقوق کو اپنے عوام کو بلا امتیاز عطا کر کے نہ صرف ترقی کی منازل روز افزوں طے کئے جا رہے ہیں بلکہ مسلم ممالک کی نسبت عملاً اسلام سے بہت قریب نظر آ رہے ہیں اور ہمارے نوجوان صحافی وصی شاہ صاحب 15-10-2012 کے روزنامہ نئی بات لاہور میں اپنے مضمون امریکہ اور عملی اسلام (آخری قسط) میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''کفار معاشروں میں ہمیں مسلمان نظر نہیں آتے مگر جا بجا اسلام نظر آتا ہے۔ اور پاکستان جیسے مسلم معاشرے میں ہمیں مسلمان ہی مسلمان نظر آتے ہیں مگر عملاً اسلام کا فقدان ہے۔ باتیں ہیں عمل نہیں۔ وعظ ہیں کردار نہیں۔ تبھی تو' بقول اقبال

بھلا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

علامہ شبلی نعمانیؒ نے سیرت النبی حصہ اول کے صفحات 175 اور 176 پر تحریر کیا ہے:

''جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (مکہ سے ہجرت فرما کر) مدینہ تشریف لائے (پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائیں۔ آپؐ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا جس کو دونوں فریق نے منظور کیا۔ یہ معاہدہ ابن ہشام میں پورا مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے:

1- خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا اب بھی قائم رہے گا۔
2- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔
3- یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے
4- یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
5- کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔
6- مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونوں فریق باہم یکدگر ہوں گے۔
7- کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریکِ صلح ہوگا لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی۔

یہ معاہدہ بھی نبی کریمؐ نے قرآن مجید کی روشنی میں ہی مرتب فرمایا تھا اور بنیادی انسانی حقوق کے عین مطابق تھا۔ یہ معاہدہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی فتح پر منتج ہوا۔ یہ نبی کریمؐ کے خلق عظیم کا عظیم مظہر تھا جو لکم دینکم ولی دین سے اُٹھ کر سورۂ نصر کی کامرانیوں کی بشارتوں تک پہنچا۔

تمام مسلم ممالک اور خصوصاً پاکستان کے لئے نہایت ضروری ہے کہ اپنے عوام کو بلا امتیاز بنیادی انسانی حقوق سے سرفراز کر کے ترقی یافتہ اقوام و ممالک کی صفِ اوّل میں شامل ہوں۔

☆.....☆.....☆

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عارف محمود کسانہ سویڈن
E.Mail: Arifkisana@gmail.com

بچوں کے لیے خصوصی تحریر جسے بڑوں کو بھی پڑھنا چاہیے

آج شمائل بہت خوش تھا۔ سکول سے گھر آتے ہی اپنی امی کے پاس گیا اور سلام کرنے کے بعد بتانے لگا کہ اُسے سکول میں تقریری مقابلہ میں اوّل انعام ملا ہے۔ اُس کی امی بھی بہت خوش ہوئیں۔ شمائل کہنے لگا امی جان نانا جان نے مجھے تقریر کی بہت اچھی تیاری کرائی تھی اس وجہ سے مجھے پہلا انعام ملا ہے حالانکہ دس دوسرے سکولوں سے بھی طلباء مقابلہ میں شریک تھے۔ ساتھ ہی وہ اپنی امی کو انعامی کپ اور سندِ امتیاز دکھا رہا تھا۔ امی جان ابھی فون کر کے ابو جان کو بھی بتایئے کی مجھے اوّل انعام ملا ہے اور میں نانا جان کو بتانے جا رہا ہوں، یہ کہہ کر وہ نانا جان کے کمرے کی طرف خوشی خوشی چلا گیا اور جاتے ہی سلام کرنے کے بعد نانا جان کو بھی اپنی کامیابی کا بتایا۔ نانا جان جب میں نے تقریر شروع اور کہا جنابِ صدر میری تقریر کا عنوان ہے مومن کی زندگی تو سب خاموش ہو گئے اور میری تقریر سننے لگے۔ جب تقریری مقابلہ ختم ہوا اور اوّل انعام کے لیے میرا نام پکارا گیا تو زبردست تالیاں بجائی گئیں۔ مہمانِ خصوصی نے جب مجھے انعام دیا تو کہا بیٹا آپ نے بہت اچھی تقریر کی ہے اور جس طرح مومن کی زندگی کو بیان کیا ہے اگر تم خود اُس پر عمل کرو گے تو ایک مثالی شخصیت بن جاؤ گے۔ نانا جان کہنے لگے یہ تو انہوں نے بالکل درست کہا ہے اگر مومن کی خصوصیات اپنے کردار میں پیدا کی جائیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان ایک مثالی شخصیت ہوگا۔

نانا جان مثالی شخصیت سے کیا مراد ہے اور وہ کس طرح کی ہوتی ہے۔ شمائل نے سوال کیا۔

نانا جان۔ مثالی شخصیت سے مراد ایسا شخص جس کا بہت اچھا اخلاق اور اعلیٰ کردار ہو۔ اُس کی بہت کامیاب زندگی ہو جس کی سب مثال دیں اور خود اُس جیسا بننا چاہیں۔

شمائل۔ نانا جان دنیا میں کون سی ایسی شخصیت ہے جسے ہم اپنے لیے مثالی شخصیت قرار دے سکتے ہیں۔

نانا جان۔ دنیا کی سب سے بڑی مثالی شخصیت ہمارے رسول حضرت محمد ﷺ کی ہے اور قرآنِ حکیم نے کہا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔ حضور پاک ﷺ نے بھی فرمایا ہے کہ میں اخلاق کی تعلیم دینے کے لیے آیا ہوں۔

شمائل۔ نانا جان رسولِ پاک ﷺ کی شخصیت کے بارے میں مزید بتائیں اور یہ بھی کہ صحابہ کرامؓ کی آپؐ کے بارے کیا رائے تھی۔

نانا جان۔ رسول پاکؐ بہت نرم دل، خوش مزاج، دوسروں کے کام آنے والے، ملنے والوں اور رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنے والے، مسکرا کر جواب دینے والے، اچھی اور مناسب گفتگو کیا کرتے تھے۔ رسول اللہؐ بہت ہنس مکھ اور ہشاش بشاش تھے آپؐ سے مل کر لوگ بہت خوش ہوتے تھے۔ آپؐ کی محفل میں بیٹھا کوئی شخص اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا آپ ہنسی مذاق پسند کرتے تھے اگر کوئی آپؐ سے خوش طبعی کرتا تو آپ بھی اُس کا ساتھ دیتے اور خوب ہنستے مسکراتے۔ آپؐ بچوں سے بہت پیار کرتے اور اُن کے ساتھ کھیل میں حصہ لیتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولؐ اللہ سے زیادہ حُسنِ خلق کا مالک اور کوئی نہ تھا۔ تمام صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے بہت محبت کرتے تھے اور وہ آپ کی شخصیت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ آپؐ نے بھی اُن کی تربیت بہت ہی اچھی کی جو قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں کی تھی۔ حضور ﷺ کے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عمروؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ بدخلق نہ تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ تم سب میں بہترین وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہیں۔ ایک اور صحابی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرمؐ کی دس سال تک خدمت کی اور حضور ﷺ نے کبھی مجھے اُف نہ کہا اور نہ کسی چیز کے بارے میں پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہ کیا۔ حضرت عائشہؓ کا کہنا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نرم دلی کو پسند کرتا ہے اور نرم دلی کا صلہ سب سے زیادہ دیتا ہے۔ آپ جب گھر میں ہوتے تھے تو گھر کے کام کاج میں مدد کرتے تھے۔ آپ صادق اور امین یعنی سچے اور امانت دار تھے۔ کبھی کسی کو بُرا بھلا نہ کہا اور نہ ہی کسی سے بدلہ لیا بلکہ ہر زیادتی کرنے والے کو معاف کر دیتے تھے۔ حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے جب بھی کسی نے سوال کیا تو آپ نے جواب میں نہیں، کبھی بھی نہیں کہا۔ جو بھی آپؐ سے ضرورت کی کوئی چیز مانگتا تو آپؐ اُسے دے دیتے اور اگر آپ نہ دے سکتے تو بہت نرمی سے جواب دیتے۔ آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ بُری مجلس میں نہ بیٹھو۔ ہمیں چاہیے کہ ہم بھی وہ اخلاق اپنائیں جو رسول پاکؐ کے تھے۔

شمائل۔ نانا جان ایک مثالی شخصیت کے بارے میں تفصیل سے بتائیں کہ ایک مثالی شخصیت میں کیا خوبیاں ہونی چاہیے۔

نانا جان۔ بیٹا ایک مثالی شخصیت میں وہ سب خوبیاں ہونی چاہیں جو ہمارے پیارے رسولؐ پاک میں تھیں اور جو میں نے ابھی

تمھیں بتائی ہیں۔ ایک مثالی شخصیت میں سچائی، امانت، دیانت، شرافت، اخلاص، وعدہ کی پابندی، حسنِ سلوک، پاکیزگی، حیا، علم و عقل، محنت، اخوت، ہمت، اعتدال یعنی میانہ روی، صبر، قوتِ ارادی اور گفتگو کے آداب ہونے چاہیں۔ مثالی شخصیت میں اخلاقی برائیاں جیسے حسد، منفی سوچ، اپنی غلط بات پر اڑنا، خواہ مخواہ دوسروں پر تنقید کرنا، فضول بحث کرنا، دوسروں کا مذاق اُڑانا، مایوس ہونا، انتقامی جذبہ رکھنا، دھوکہ دہی، جھوٹ اور احسان فراموشی نہیں ہونی چاہیے۔ اسی طرح ایک کامیاب شخصیت بننے کے لیے اپنے وقت کا بہترین استعمال کرنا چاہیے، سُستی اور کاہلی کی بجائے محنت سے کام کرنا چاہیے۔ اپنا خود جائزہ لینا چاہیے اور پابندی وقت سے اپنے کام کرنے چاہئیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ انسان کو وہی ملے گا جتنی وہ کوشش کرے گا۔ اللہ کا یہ بھی حکم ہے کہ لوگوں سے خوش اسلوبی سے بات کرو اور بے رُخی نہ برتو۔

شمائل۔ نانا جان آپ نے باتیں تو بہت اچھی بتائی ہیں مگر ان پر عمل کرنا بھی تو بہت مشکل ہوگا۔

نانا جان۔ تمھاری بات بہت اہم ہے، اپنے عمل اور کردار کو ان اچھی باتوں کے مطابق ڈھالنا اور اپنے مزاج کو بدلنا مشکل ضرور لیکن ناممکن نہیں۔ دین کی تعلیمات کا سارا مقصد ایک اچھے اور اعلیٰ اخلاق کے حامل انسان کی تعمیر ہے اگر اچھا اخلاق اور کردار موجود نہیں تو سب کچھ بے مقصد رہ جاتا ہے۔ اس کے لیے مضبوط ارادہ کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ سب ایک دِن میں نہیں ہو جاتا بلکہ اس کے لیے کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اگر کوئی ہر ہفتہ اپنی ایک بُری عادت چھوڑتا جائے اور ایک اچھی عادت اپناتا جائے تو تھوڑے ہی عرصہ میں وہ ایک اچھی شخصیت کا حامل ہو جائے گا۔

شمائل۔ نانا جان آپ نے مجھے بہت اچھا طریقہ بتایا ہے اب میں ایسا ہی کروں گا۔ میں اپنا جائزہ لوں گا، اپنی غلطیوں کو تسلیم کروں گا اور جھوٹ نہیں بولوں گا۔ اپنا رویہ بہتر بناؤں گا اور اُن چیزوں سے بچوں گا جو میرے کردار پر بُرا اثر ڈال سکتی ہیں۔ اپنی غلطی تسلیم کروں گا۔ اپنے وقت کا بہترین استعمال کروں گا۔ اپنے غصہ پر قابو پاؤں گا اور خوش خلقی کا مظاہرہ کروں گا۔ محنت کی عادت ڈالوں گا اور کوشش کرنا کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ ہر روز مطالعہ کرنے کی عادت ڈالوں گا۔ تمام انسانوں کا احترام کروں گا۔ اسلام کی تعلیمات سمجھ کر اُن پر عمل کروں گا اور قرآن مجید کی باقاعدہ تلاوت ترجمہ کے ساتھ کروں گا۔ اپنے منفی خیالات کی اصلاح کر کے اپنے اندر خود اعتمادی پیدا کروں گا اور اس طرح ایک نئے جذبہ کے ساتھ زندگی بسر کروں گا۔

نانا جان۔ شاباش بیٹا۔ اگر تم واقعی اس عزم کے ساتھ اپنی شخصیت کی تعمیر کرو گے تو ایک بہت اچھے انسان بنو گے اور سب تمھاری تعریف کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ تم یہ سب کرو گے اور اللہ تعالیٰ بھی تمھیں توفیق اور ہمت دے گا۔

☆.....☆.....☆

سانحہ ہائے ارتحال

سیّد نصیر شاہ صاحب گذشتہ دنوں میانوالی میں انتقال فرما گئے۔ نصیر شاہ صاحب کے متعدد مضامین وتراجم ستّر اور اسّی کی دہائی میں ماہنامہ طلوعِ اسلام میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ موصوف عربی زبان کے ماہر اور کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر کی توفیق۔ ادارہ مرحوم کے لواحقین کے دُکھ میں برابر کا شریک ہے۔

محترم خواجہ ازہر عباس صاحب کی بڑی ہمشیرہ گذشتہ ماہ یو۔کے میں وفات پا گئی ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت سے نوازے۔ ادارہ خواجہ صاحب اور مرحومہ کے دیگر لواحقین کے دُکھ میں برابر کا شریک ہے۔

محترم افتخار احمد صاحب جو کہ سویڈن میں فکرِ قرآنی کو متعارف کرانے میں کوشاں ہیں، کے والد محترم فیصل آباد میں گذشتہ ماہ وفات پا گئے ہیں۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت سے نوازے اور لواحقین کو صبر کی توفیق دے۔
ادارہ افتخار احمد صاحب اور مرحوم کے اعزہ واقربا کے دُکھ میں برابر کا شریک ہے۔

محترم خریداران مجلّہ طلوع اسلام

خصوصی توجہ فرمائیں

جن کھاتہ داران نے اپنے اپنے کھاتوں سے مجلّہ طلوع اسلام جاری کروایا ہوا ہے ان سے گذارش ہے کہ آپ اپنی فہرست خریداران 15 دسمبر 2012ء تک ادارہ طلوع اسلام کو بھجوا دیں اور جن کو میگزین سال 2013ء کے لئے جاری رکھنا مقصود ہو یا جن کے میگزین بند کرنے ہوں، مکمل فہرست، ایڈریس کے ساتھ بھجوا دیں تا کہ بروقت عمل درآمد ہو سکے۔ شمارہ کی اشاعت میں اضافہ آپ کے تعاون کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اگر بیرون ملک یا اندرون ملک کی بز میں مزید تعاون کریں تو اس تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے امید ہے کہ بز میں اس مسئلہ پر تعاون کریں گی۔

کھاتہ داران جن کے ذمے طلوع اسلام کی رقم بقایا ہے ان کو ان کے کھاتوں کی تفصیل بھجوائی جا رہی ہے تاہم اگر کسی وجہ سے یہ ان تک نہ بھی پہنچے تو بھی تمام کھاتہ داران سے التماس ہے کہ وہ اپنے کھاتوں میں معقول رقم جمع کرانے کا اہتمام کریں تا کہ واجب الادا رقوم کی وجہ سے ادارہ مالی پریشانیوں کا شکار نہ ہو۔

بینک اکاؤنٹ کے لئے ضروری وضاحت

1- بینک کا اکاؤنٹ نمبر 3082-7
2- بینک کا نام نیشنل بینک آف پاکستان، مین مارکیٹ برانچ گلبرگ، لاہور (پاکستان)۔
3- نام اکاؤنٹ ادارہ طلوع اسلام

شکریہ

اشتہار

پورا صفحہ

قرآنک فاؤنڈیشن

Khan Mohammed Hanif (UK)

Rape and Harassment

A medical student in India who has died of severe injuries she sustained in a ganged-rape. I would like to draw attention of parents of young girls to have a careful study of the solution to stop the flow of increasing numbers of violence perpetrated against defenceless women-folks.I would also appeal to Indian legislature to constitute a law fitting to the crime and for murdering amanat/ Damini after ganged-rapping and then putting her to unspeakable torture that she breathe her last despite best possible medical treatment afforded to her.

I realise death of the victim has become an open and shut case for the courts under Indian penal code to punish perpetrators. However, had Amanat survived and for the sake of rape victims a permanent deterrent must be found to stop alarming rate of rape.

The Qur'an takes a very tough stance and prescribes severe punishment to men who even harass or molest women. Raping a woman and using violence and ganged-raping is unforgivable heinous crime. If actual or presumed harassment is based on religious or ethnic basis then the offence becomes aggravated.

The Qur'an does not restrict women to remain in-door but recommends taking some practical precautionary measures for their own safety. Not to expose unnecessarily.

"O Prophet! Tell thy wives and daughters, and the believing women, that they should cast their outer garments over their persons (when abroad): that is most convenient, that they should be known (as such) and not molested. And Allah is Oft-Forgiving, Most Merciful". **33:59** (Chapter 33 verse 59 translated by Abdullah Yusuf Ali)

The law enforcing authority has a responsibility to publicise widely to citizens that, to harass women is not only public order offence but it amounts to criminal offence with grave consequence.

"Truly, if the Hypocrites, and those in whose hearts is a disease, and those who stir up sedition in the City, desist not, We shall certainly stir thee up against them: Then will they not be able to stay in it as thy neighbours for any length of time": **33:60**

The punishment definitely serves as a warning to diseased minds. Failure to comply their citizenship can be curtailed, prisoned or as a last resort handed a capital punishment.

"They shall have a curse on them: whenever they are found, they shall be seized and slain (without mercy)". **33:61** (ibid)

I also believe boys at very early age must be taught to respect girls and treat them as their equal. This will bring down rate of rape that has become an epidemic in our society. The severe punishment to gruesome crime would set an example to others. These men, if after due process of law are convicted then they must be sent to gallows. A strong signal must be given to diseased mind of the society as a deterrent.

☆.....☆.....☆

Surah Al-Qalam—Durus-al-Qur'an Parah 29: Chapter 7

By G. A. Parwez

(Translated by: Dr. Mansoor Alam)

Dear Friends! Today is November 11, 1983 and the *Dars-e-Qur'an* begins today with verse 42 of Surah Al-Qalam (68:42).

Previous verses talked about the struggle between Truth (Haq) and Falsehood (Batil). It seems that this long struggle between our Prophet (PBUH) and his opponents had entered its last phase and the results had finally started bearing fruits; and it looked that those who fought with him displaying extreme hubris, arrogance, and intransigence had been finally defeated. This was a great failure for them. And the Momineen, who spent their life under extreme difficulties and hardships, facing so many trials and tribulations, suffering untold miseries; they were finally seeing the benefits of their steadfastness and persistent actions to implement the system of the Quran based on truth and justice. This we had noticed in the previous verses. As I mentioned before, the last two parts of the Quran are full of mostly this conflict and confrontation, and the consequent results of this struggle. The time for appearance of the fruits of this struggle had finally come at long last. Let me repeat once again that after describing these confrontations and the Kuffar's state of defeat and its hellish consequences (*'Azaab*) for them– normally referred to as *Jahannam* – the Quran says that this will come *here* in *this* world; and the results in the Hereafter will be much more severe (68:33).

This world's *Jahannam's* 'Azaab

Dear friends! I keep on repeating that we should not say that results of everything will come out only in the Hereafter. When the Quran is talking about the destruction of its opponents then it is talking about here, in this world. And the 'Azaab in the Hereafter

will be much severe. The 'Azaab of this world for nations appears in the form of destruction, defeat, humiliation, dependence, and subjugation. This 'Azaab comes as a consequence of their wrong system.

Explanation of a phrase

Dear friends! In this connection the next verse is: on the Day when man's very being shall be bared to the bone, and when they [who now deny the truth] shall be called upon to prostrate themselves [before God], and shall be unable to do so (68:42).That day on which the destructive results of their erroneous deeds will come before them, is approaching. It will be titanic clash and they will be faced with severe calamities on all sides. At that time some of them shall consider bowing before the divine laws, but by then the time of respite will be over. It would no longer be possible for them to do so and avert destruction. In (68:42) two words "Kashf" and "Saaq" have come. *"Yukshafo 'an* saaqin" يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ literally means "to make the ankle bare". This phrase was spoken at a time when a confrontation became very hard and extremely challenging. It seems this is because the dress the Arabs wear, as we know, is long flowing robe-like loose dress that covers their ankles and they have to lift it up whenever they have to run, and that exposes their ankles. In our culture also many men who wear a loose garment (sewn by joining its two sides) called "*tahmad*" as well as those who wear trousers; they have to pull these up when they have to run, and that also exposes their ankles. This is the reason, when the situation in a conflict and confrontation became hard; became very challenging; and became highly charged; then this phrase was used: "ankles got exposed there".

God will expose His ankles: Bukhari's hadith

This hadith narrates that those who are arrogant and full of hubris here in this world will also behave in the same way in front of God in the Hereafter; and will not bow-down and prostrate in front of Him. Then God will expose his ankles and as a result all of them will fall into prostration. This hadith is in both Bukhari and Muslim. Now, my dear friends! Is there any need to say anything further on this? The entire structure of *Deen* rises on proper concept of God. What kind of religion a particular society

practices and how it differs from anther society can easily be predicted based solely on what concept of God they have.

The importance of proper concept of God

A Western thinker–I don't remember his name right now–claims that if you tell me what kind of God a people have chosen to worship then I will tell you all about their culture, tradition, arts and literature, and customs. That is how much important the concept of God is. We don't think about these things. We did not do any research about this topic neither did we learn from others' research. We did not believe in God by choice but by being born in a Muslim family. That is how we continue to remain Muslims: by practicing few rituals till we reach the end of our lives, and then the final ritual is performed pertaining to the funeral. Reciting the Azan at birth and performing the funeral prayer when we die–that is how our life begins and ends. Dear friends! The concept of God is the foundation of *Deen*, *Madhab*, culture, society, art and literature, and politics. This concept of God that we have, as in the above hadith where, when these people will not bow down before God in the Hereafter by any means; then God will expose His ankles bare and *then* they will bow-down in prostration–now what kind of concept of God comes out before us? *It is this* concept that God has ankles; that He wears dress; that He pulls His dress up to show His bare ankles! Then we have the following fatwa on top of this:!

Denying any hadith of Bukhari or Muslim removes one from Islam

We are told that we cannot understand the Quran without Hadith. But we see from the above what of kind of things are written in our books of hadith. There are six authentic Sunni books of hadith; and among them Bukhari and Muslim are considered to be the two most truthful books and their belief is that denying any hadith of any of these two books removes one from the circle of Islam. That is, if you do not believe that God will show his bare ankles by pulling up His clothes then according to this ideology you will no longer remain a Muslim. Our books of tafsir (interpretation) are based on these hadith books and our scholars call them authentic. You can check yourself? This is what you will find written there that God will show

His bare ankles.

Dear friends! What is mentioned here is that at that time when the situation will become extremely grave and its intensity will reach a feverish pitch, and some will advise the opponents of the Prophet (PBUH) to bow-down and surrender even now but they will refuse to do so due to their hubris and false pride. They were a strange group of people! We do not bother to know the history of those people. These were the type of people that our Prophet (PBUH) had to deal with in his initial struggle.

The head of Abu Jahl in the battle of Badr

During the battle of Badr when two youths from Ansar were about to chop the head of Abu Jahl then he said to them that cut my head from below. The youths told him that that will cause lot of pain due to strong bones there. Why are you asking that? Dear friends! There was a custom there that they used to take out a procession after a battle and during that procession they used to put the heads of the dead at the tip of swords! Considering this Abu Jahl told these two youths that I want my head to be higher than anyone else during that procession and that is the reason I am telling you to cut my head from below; it does not matter if I have to suffer lot pain; it does not matter if you have to cut through my strong bones. But *I* want my head to be *higher* than everyone else during that procession! That is how their mindset was: to go any distance and to suffer any amount for keeping their heads high. And these were the type of people our Prophet (PBUH) faced. Here, in this verse, it is said that the situation had reached extremely serious level: they were running away from the battle but still they would not surrender. It was their hubris and extremely intransigent behavior that wouldn't allow them to surrender–just as Pharaoh knew that Moses is telling the truth but his hubris and his false pride wouldn't let him surrender. In other place in the Quran it is mentioned that once they said 'no' and later even though they got convinced in their heart about the truth, but they would not accept the truth because they had initially said 'no'. This became an issue of prestige for them! The Quran calls this kind of false prestige '*Izzatul Ithm'*. And these people became victims of this disease. If one does not change this mentality, then even if they understand that what is being presented to them is the truth but their arrogance does not let them surrender. The Quran says that

this is what their mentality had become. They would not listen to anyone who advised them to accept the truth but they would not do so; even at the time of their destruction they will not try to do right things for their protection. *"On the Day when man's very being shall be bared to the bone, and when they [who now deny the truth] shall be called upon to prostrate themselves [before God], and shall be unable to do so: downcast will be their eyes, with ignominy overwhelming them - seeing that they had been called upon [in vain] to prostrate themselves [before Him] while they were yet sound [and alive]"* (68:42-43). They were invited again and again during the period of respite to accept the message of truth; to accept the message of Islam. But they did not listen. Now, when the period of respite was over and they were totally defeated; even then they did not want to accept this message since they were blinded by their emotional hatred of the Prophet (PBUH) and his companions! What is the use of accepting now, they would say!!

The mindset of Arab people

Dear friends! This feeling of the Arab people was essentially the feeling of ethnic pride in their tribe and tradition. This had gone into their blood and DNA so much so that when the Prophet (PBUH) asked his uncle Abu Talib during the last days of life: "O my uncle! My entire life is spent under your watch; I have been raised with your hands; you also know my message and my invitation to this message; and these are the last days of your life; why don't you accept Islam now? Abu Talib is reported to have said: "O my son! I know that your message is the message of truth but if I accept at this stage, just before my death, then people will say that look at Talib!–He accepted the message because of fear of death. So, my son! Just let it go. Let it pass" This reported incident truly reflects the mindset of those people. Even today those who consider themselves "great" their attitude is similar – usually their hearts accepts the truth but their false prestige does not let them surrender to it, although in coming out of their shells of this false prestige and submitting to truth would give them real prestige and honor. But their ethnic and racial pride never lets them do this. The false pride of Prophet's people had engulfed their lives completely and was the primary impediment in their acceptance of the truth in any aspect of their life. Even

today, the same attitude prevails in most people.

Leave them at Our (Allah's) disposal

Allah told the Prophet (PBUH) not to worry about such people and to be steadfast in his mission. As for these people Allah says: "*Hence, leave Me alone with such as give the lie to this tiding. We shall bring them low, step by step, without their perceiving how it has come about: for, behold, though I may give them rein for a while, My subtle scheme is exceedingly firm(68:44-45)"*.Allah is saying here that O Prophet (PBUH)! Those who are belying the truth leave them to Me to deal with. O my Allah? How unfortunate these people must be? Dear friends! Just think about it? What result awaits them who are handed over to Allah to be dealt with by Him? Allah says I will deal with them. That's it. And you, O Prophet (PBUH), continue with your mission. Don't you worry about them; leave them at my disposal. Do you think what fate awaits a criminal who is handed over to Allah? What a way the Quran describes things–Hand them over to Me! What will I do to them? Take their necks under My grips and squeeze them to death instantly? No, that is not Our way. Actually, Our law of requital – that comes in front of us again and again in many Darses – has them under its active grip all the time and is keeping complete tabs of the results of all their actions. Its grip is over everyone whether individuals or nations. The results of nations' wrong behavior and of life's wrong systems are bound to appear according to this law of requital. But this does not appear on the first day. It moves slowly towards the final outcome. Smaller events jerk and shake them as warning signs for them so that maybe they might learn and correct themselves, but, nonetheless, it keeps moving towards its final outcome. This is called the period of respite. Although the Prophet (PBUH) is told to leave them at the disposal of Allah, i.e., at the disposal of the law of requital, he is advised, nevertheless, to continue to deliver the message of the Quran so that no one is destroyed due to not having the message reach him.

Dear friends! During this period of respite a nation following wrong policies is taken slowly towards its destruction. The duty of those conveying the message of the Quran is to continue to deliver its message during this period as well. It may just well be that some receptive souls may accept this message and be saved. There is no benefit to

Allah in this, or to the party giving the message of truth and justice that it will garner more votes. The sole purpose for doing this is that the receptive souls may be saved. In spite of this, the Quran has advised those who are giving its message to have no social connections with them. That is the basic purpose of the period of respite–that no one is destroyed just because the message did not reach his ears. Maybe these people even now could understand but their hubris, arrogance, and their pride do not let them come near it. They continue to move ahead on their wrong path and remain under the false impression that "we are doing all this and these people say that we will get destroyed but nothing like that is happening to us". They remain in this delusion that nothing bad will ever happen to them.

Step-by-step towards destruction

For this slow step-by-step process please note how the Quran comes up with words in creative and innovative way: As noted earlier Allah said to the Prophet (PBUH) leave these people alone; I will deal with them. But Allah also said they will move slowly towards their destruction step-by-step. The word the Quran has chosen for this is such that one cannot say it quickly. By the very structure of the word one is forced to say slowly in steps. This word is: سَنَسْتَدْرِجُهُمْ (*Sanastadr-i-juhum*) (68:44). This is the unique style of the Quran! You cannot pronounce this word quickly. One has to pronounce every letter of this word gradually in step-by-step manner. Then the meaning of this word, which is step-by-step, automatically comes outin a way, while pronouncing this word.

Dear friends! Please listen again: *"Hence, leave Me alone with such as give the lie to this tiding. We shall bring them low, step by step, without their perceiving how it has come about: for, behold, though I may give them rein for a while, My subtle scheme is exceedingly firm (68:44-45)"*.Their destruction will come from places that they have no clue about, and it will come so slowly that they cannot even perceive. This is the way destruction of wrong systems happens. It is the result of cumulative effect. It does not happen suddenly. It said: وَأُمْلِيْ لَهُمْ (*Wa UmliLahum*) (68:45) – give them little more rope, extend the period of their respite. Having a long period of respite does not matter. Do not interpret this period as Our weakness but rather that Our scheme is

very solid and strong indeed (68:45)?

No reward to Prophet (PBUH) in this invitation

There is no way they can get out of the grip of the law of the requital. It is very sound and extremely strong. If they are running away from you O Prophet (PBUH), then is it because you are asking any compensation from them that they think that your message is useless; and that they consider this a burden? Dear friends! You may remember that in Surah Hud specially, a series of stories of various Prophets have been narrated in that Surah. Every Prophet's first words were:"*I'abudullah*" – اعْبُدُوا اللهَ – adopt the *obedience* of *only* Allah (11:50, 11:61, and 11:84) followed by the words "I do not demand from you any compensation for delivering this message." Every Prophet (PBUH) used to say this, the very first thing to his people. So, it is clear from this how important the message must be that no reward or compensation was sought for. On top of this the Prophets persevered greatly and went through lot of hardships for delivering this message. If human beings think even little bit by going beyond their narrow self-interests, beyond their hubris and bigotry; by looking at the character of the Prophet–that there is no benefit for him personally, and he is suffering hardships in this process; then they will quickly come to the conclusion about the truth of the message. But most of them don't. They think that only a mad person will do this as we saw in the previous verses. In their eyes, they thought who was sensible enough to go through all this suffering–and threats to even one's life–without any benefit for himself at all? It was simply incomprehensible to them. Those who live by the usual low standard of short term profit and loss consider this kind of person mad; and proclaim that what kind of person he is who does not know about his own profit and loss. But this "mad" person is really very intelligent in his work. He is driven incessantly in his mission and is passionate in his nonstop work; but the rest of the world calls him names, and calls him mad. But this is the kind of "madness" without which nothing worth of value gets done in the world, and for which million short-sighted intellects can be sacrificed.

Dear friends! The Quran further says: *"Hence, leave Me alone with such as give the lie to this tiding. We shall bring them low, step by step, without their perceiving how it*

has come about: for, behold, though I may give them rein for a while, My subtle scheme is exceedingly firm! Or is it that [they fear lest] thou ask them for a reward, [O Prophet,] so that they would be burdened with debt [if they listened to thee]? Or [do they think] that the hidden reality [of all that exists] is within their grasp, so that [in time] they can write it down?"(68:44-47).

It is clear that they are moving towards destruction but they do not accept it. Do they have a book in which there is knowledge of the future and they see written there that this success, this progress, and this life of abundance and happiness they have will continue forever? They are told again and again of their destruction but they are blinded by their hubris. If they could only "open" their eyes they could clearly see the destruction towards which they are headed. This is not "*ghaib*" which is something hidden from the eye. This is obvious and will become manifestly clear to anyone who wants to see that the wrong system *is* heading towards destruction. Is there anyone who has the knowledge of the future and tells them, no, it is not true that your wrong system is headed for destruction; that not to worry about warnings of dire consequences by the Quran; and that, ultimately, you will succeed? Do they have any books of the unseen in which this is written? The truth is this is exactly where we are today and we are behaving exactly as the previous nations. Whatever the Quran told about those previous nations applies exactly to us today. It is okay to go to a doctor if we get sick. But along with this we go to Hazrat Sahib as well! And we ask him to find out from the ghaib (unseen) if we will be cured or not. Do they have some book that foretells future?

Dear friends! Yes, they do have such books. And we go to these Hazrat Sahibs to ask about everything about future. But Allah says nobody has the knowledge of the future, so much so that even His Prophets did not have the knowledge of the future except what He gave them through revelation; and nothing more than that. We go to these Hazrat Sahibs in the shadow of the night. Have they hidden some books that they look into them to foretell future events? We ask Hazrat Sahib to bring future events into the present. So, they do augury. But what is in front of our eyes is not visible to us. We close our eyes to them and we go here and there to find out about the

future. Allah says they are doing all these things and We know them. And He says to the Prophet (PBUH): Don't worry about them. Be steadfast in your mission with fortitude and patience and wait for Allah's decision: BEAR THEN with patience thy Sustainer's will and be not like him of the great fish, who cried out [in distress] after having given in to anger (68:48).

Dear friends! Here it is said to the Prophet (PBUH) to remain steadfast with patience. Of all the Prophets only Prophet Yunus (PBUH) is the one who showed a little impatience and committed an error in judgment. Forgive me please! This was not a disobedience of any order of Allah. It was simply a minor mistake in his judgment of the situation on the ground. Every Prophet (PBUH) used to start his mission among the people he was born in. They used to continue their mission among their communities despite extreme opposition from the vast majority of their people. But with patience and forbearance they used to continue to give their message. This persistent effort would finally yield dividend and some receptive souls would finally accept their message of truth and justice and the rest would continue their blind opposition. Therefore, it seems when there was no more hope of their mission to grow and succeed there then the Prophets, by the order of Allah, would gather their supporters and would migrate to another place where the environment was potentially more favorable for their message to succeed. This was called Hijrah or migration. This was not just leaving the house. This was leaving behind everything. The time was decided by Allah and the Prophets were told to migrate, but not until then. But in the story of Prophet Yunus (PBUH) we see that when the opposition to his message reached extremely high level he became very disappointed and upset and decided on his own to leave that place. The story of his travails in the river and his escape from the fish has been mentioned thus in the Quran: *AND [remember] him of the great fish when he went off in wrath, thinking that We had no power over him! But then heeded out in the deep darkness [of his distress]: "There is no one worth obeying save Thee! Limitless art Thou in Thy glory! Verily, I have done wrong!"* (21:87). In Surah Al-Saffat (37:143) the word "*Musabbiheen*" – الْمُسَبِّحِيْنَ – has come which means fast swimmer especially freestyle swimming with fully stretched hands. But now it has become rosary with us limited to just moving our fingers to

move the beads of a rosary round and round and reciting the word "*subhanallah*". But the story of Prophet Yunus (PBUH) relates that he struggled with all his might and came out from the clutch of the mouth of that large fish which tried to devour him. Then he tried to swim very fast and very hard but then a large wave pushed him out to the shore. So, he did come to the shore but one can very well imagine what his condition would have been: Going in a raging river; fighting the large fish from being eaten; escaping from the mouth of the fish and swimming with all his might; and then being thrown over to the shore–all this must have made him semiconscious and half dead. The Quran says that there was a tree there and he came into its shade. After this horrendous episode he immediately admitted that he had made a mistake. Then the Quran says that if he would have stayed slightly longer among his community then the entire community would have accepted his message. His people had reached a level very like that of al dente cooked rice–just leave on the stove covered and it will be ready soon to eat. In the same way his people were almost ready to believe but he left them prematurely without waiting for Allah's order. After he realized his mistake he was told to go back to his people again and to continue his message. This is just the only story of a Prophet leaving his people prematurely. Prophet Muhammad (PBUH) was told to remain steadfast in his mission and to have patience just as other Prophets. He was told not to worry; that he would succeed ultimately. There is just one exception in all of the Prophets – that of Prophet Yunus (PBUH). Being disappointed or heart-brokenhe had left his people in prematurely. So, the Quran said to Prophet Mohammad (PBUH): *"Be steadfast in your mission with fortitude and patience and wait for Allah's decision: BEAR THEN with patience thy Sustainer's will and be not like him of the great fish, who cried out [in distress] after having given in to anger"* (68:48).

This **was not disobedience**

Dear friends! "Al-Hoot" – الْحُوْتِ – means fish. That's the reason he is referred to as the fish-messenger. Allah said to Prophet Muhammad (PBUH) to not be like him; to not be in hurry; to not feel heartbroken that people are not listening to him. As for Prophet Yunus: *"Be not like him of the great fish, who cried out [in distress] after*

having given in to anger. [And remember:] had not grace from his Sustainer reached him, he would indeed have been cast forth upon that barren shore in a state of disgrace: but [as it was,] his Sustainer had elected him and placed him among the righteous" (68:48-50). If it was not for Allah's Grace he would have been dead due to his error in judging the situation of his community's state of readiness to accept his message. This was a strategic error on his part, not disobedience of Allah's order. But, nevertheless, his error landed him in deep trouble – and all the above things happened to him and he suffered as a consequence – but finally Allah's Grace protected him. He was chosen by Allah as His messenger and remained so after this episode. Allah has said that he was among the righteous. He just made one premature decision because he became impatient due to his people's intransigence. Allah is saying to the Prophet (PBUH) here not be impatient like Prophet Yunus (PBUH), and to be steadfast and patient in his mission. Dear friends! From this you can very well imagine what kind of extremely testing situations occur in this program so much so that one of the Prophets of Allah like Prophet Yunus became impatient and migrated prematurely from his community.

Allah's constant reminder to the Prophet (PBUH) to have patience

The Prophet (PBUH) was constantly being reminded by Allah to have patience; not to be frustrated; and to endure all that opponents were throwing at him with fortitude and forbearance. The patience our Prophet (PBUH) and his companions displayed in their life of Mecca was such that thinking about it even today our eyes tear-up and our bodies start shaking. What a remarkable level of patience and perseverance they displayed! The Prophet (PBUH) was a pillar of steadfastness and extraordinary patience no doubt. But his companions displayed amazing degree of patience as well. In spite of this, Allah kept on reminding them to continue to bear the hardship with fortitude and steadfastness. Now compare this, to ourselves, born Muslims. We think that we are the beloved Ummah of our beloved Prophet (PBUH); that he will plead with Allah to save us from Hellfire. Is it right then to believe this in light of the heart-wrenching hardships and extraordinary trials and travails that all the Prophets of Allah and their companions went through? On the other hand, we do not go through

any of this; we do not go through any such trials and tribulations that they went through; we do not face the heart-wrenching situations like them – but still we claim to be the beloved Ummah of our Prophet (PBUH)! But, these trials and tests are necessary for a Muslim to go through:

People think it is easy to be a Muslim:--But,

It is to step into the witness stand of devotion

Dear friends! To *become* Muslim is not easy. To be *called* Muslim is really easy. It does not require anything to be called Muslim. But the Prophet (PBUH) faced unprecedented level of hardships and slander from his own people so much so that Allah says: *"Hence, [be patient,] even though they who are bent on denying the truth would all but kill thee with their eyes whenever they hear this reminder, and [though] they say, "[As for Muhammad,] behold, most surely he is a madman!"* (68:51).And still we think we have an easy pass!

Personal Attacks on Prophet's character

Dear friends! The physical wounds of swords and arrows are not that painful as the psychological wounds of slander and calumny. Those opponents used to get down to these tactics. The Quran is saying here that the way they look at you O Prophet, We are aware that how much that hurts you. A strange thing is noticeable with those people. On one hand they were open enemies displaying courage and audacity, and on the other hand there were many among them of low and mean character who were involved in slander and smear. There were many tribes there including Jews who were hypocrites, and who were especially involved in these mean behaviors. And then, as it is said in the verse, they looked at the Prophet (PBUH) with such strange kind of eyes that was very painful and hurting to the core. The Quran says that they were engaged in such behaviors so that the Prophet (PBUH) will slip from his position.

We have seen already in previous Darses that they were trying to arrive at some kind of compromise with the Prophet (PBUH). Look at this! They first tried to defeat him

with all their might. When they could not succeed, these hypocrites tried their next tactic which was to reach some sort of compromise. The one who is on Haq (Truth), what to say of talking about compromise, he cannot even think about it. There is no way he can move towards it let alone say to others: Let us compromise. He simply cannot engage in some give-and-take–you move a little forward and I move a little backward and let us settle at some mid-point. One will do this sort of thing only who is not on Haq. This opportunistic Islam that we have today is Islam of compromise. This is Islam based on the ideology of necessity. But the one who is on Haq *cannot* compromise. He will give his life but he will never say "two plus two is five". Please note that the Quran gives it so much importance to these situations precisely for this reason. This is for us. The Quran is not just describing some story from the past. The Quran is not some history book that tells a story from the past that someone said so and so; that someone did such and such thing; and then we move forward as if we have nothing to do with it. Or, as if we, as students, have only this much to do with it that some questions will come in the examination that we have to answer and after that we are done, and we have no further thing to do with it. This is not the thing being talked about here by the Quran.

No compromise can be done with falsehood

The Quran is for us as well. It tells that the one who is on Al-Haq (The Truth) cannot descend to the level of compromise. He simply cannot compromise. Even the thought of compromise cannot occur to him. There is no question that he will get into this hear-talk-hear paradigm of compromise. If he is on Al-Haq and *knows* that he is on Al-Haq, then he cannot slip from it. Prophet's opponent used to invite him to do compromise with them. The Quran says that this very invitation to compromise from them was a clear proof that their position was based on falsehood. The very fact that they were willing to change their position was evidence of their unjust position. After this there was no need of any other proof. Although it was their defeat but they did not want to admit that they were wrong. The Quran says that when they were not successful to persuade the Prophet (PBUH) to compromise they descended to another mean tactic and declared that he has become mad because he does not listen

to anyone; that he was stubborn.

The difference between obstinacy and principled position

Dear friends! Just as I had mentioned in the previous dars, there is a difference between obstinacy and principled stance. It is not necessary for an obstinate to stick to his position only when he is on Al-Haq; he sticks to everything he says. He sticks to everything due to his authority and power; due to false pride; or due to his ability to subjugate others. There is no need for him to stick to any principle. A principled person is one who accepts Al-Haq after due thought and consideration and reasoned analysis; and then with full conviction stands by that principle.

The wings of Self: Reason for its impairment

The Quran says: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَٰئِكَةُ

"[But,] behold, as for those who say, "Our Sustainer is God," and then steadfastly pursue the right way - upon them do angels often descend." (41:30)

Dear friends! This verse refers to those who after due thought and understanding, arrive at the conclusion that no matter what, they will not ask for their sustenance from another human being; that this will be considered humiliation if they did so, and as a consequence their wings of Self will be impaired, will be clipped. This becomes their conviction and they steadfastly stand by that conviction. Then, as the above verse says, *Malaaika* (angels) descend on them. It is not enough to say we believe in Allah, but it is also necessary to stand steadfast on that belief.

Such a person will be a guest of Allah

Dear friends! After "*Istaqaamu*" – اسْتَقَامُوا – many big roadblocks, confrontations, and conflicts will come. Hard struggles will follow next; extraordinary hardships will ensue; and heart-wrenching difficulties will come. Then, to become steadfast under all these adversities–this is the place where the Quran says that *Malaaika* (angels) will descend on them and they will give glad tidings which Allah has already prepared for them; and further tell them that they have earned the right to be a guest of

Allah; and that Allah has prepared for His guests a welcome mat and a beautiful garden. This is the result of their steadfastness in Iman; and they will be recipients of glad tidings of a heavenly society that was promised to them. So will Allah welcome His guests: Be Our guest!

أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ (41:30)

"Fear not and grieve not, but receive the glad tiding of that paradise which has been promised to you!"

Dear friends! I have mentioned that this position comes only at that time when one, from beforehand, accepts the truth with understanding based on reason and with tranquility in the heart; and then the next step is to move ahead by making it the mission of his life. Otherwise, one could accept this in the morning and then back off in the evening. This is the habit of those who do not know what belief is and what is conviction.

Futile quest of Kuffar to guess the personality of the Prophet (PBUH)

Dear friends! As I mentioned before the Kuffar were trying everything to find out what it would take to make the Prophet (PBUH) slip from his position. They injured him physically, hurled abuse at him. But he tolerated everything and he did not ask for any compensation. These Kuffars must have been wondering what it was that kept him going. They must have been curious to find out secretly that maybe there was some hidden benefit for him. When they could not find any, then they charged him and started saying "he is a mad person who does not care about his own benefit and loss". The second thing they would say is that we are offering him compromise; we are even offering to stop fighting against him; we are offering him even to end this conflict so all his hardship and miseries will vanish; but here he was and said: there was no way I can leave my position and compromise with you even one inch. So, obviously they would have declared him to be obstinate just as we would do to anyone who sticks to principle. Thus, for this kind of thing they would have no choice but to use the familiar word "*majnoon*"or mad for him. After this the next thing comes on which this Surah ends.

At the end of the Surahs is the essence of the Quranic message

Dear friends! I had mentioned several times before that the final few verses of a Surah contain the essence and core of the message of that Surah. All of the things the people of the Prophet (PBUH) did as described above. His people were not listening to him. The Prophet (PBUH) tried his best. Normally, one would become disappointed and declare that I have failed. But it was not the case with the Prophet (PBUH).

Dear friends! Please notice that Prophet (PBUH) was told not to worry, but to have full faith in the efficacy of his mission. He was told that your mission was not restricted to that place alone, that nation alone, and was certainly not limited to these people. This was for entire humankind: وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ [Be patient:] *for this is nought else but a reminder [from God] to all mankind* (68:52). If these people were not listening then it was their own loss. This was not the loss for the mission. As for his mission, he said: "The entire Earth is my Masjid". If you do not accept the message then Allah's nation is not restricted only to this place. There will be other nations and other peoples who will accept the message. Only that person will be sad who is in the business of selling his goods and who repents that "these were the few customers and they went away without buying from me; so how I am going to sell my goods". But here it is not the question of selling goods. O Prophet (PBUH)! You were only trying for their benefit. If they do not want this benefit then it does not matter. This message is for the entire humankind. This is a universal thing: ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ

The system given by Allah for human beings will never fail

The concept of God of the Quran is of provider of sustenance to all the worlds. The God of the Quran is not a God of a particular people, of a particular group, of a particular party, of a particular system, of particular sect. He is God of entire humankind. His messenger is a mercy for entire humankind. He is mercy for not only for a particular people but he is mercy for entire peoples of the world. Allah's Quran is for entire humankind, for all the peoples of the world. The meaning of ذِكْرٌ is guidance or remembrance. In Arabic it also means dignity, respect, and high status (16:43; 68:50). If we take this meaning then ذِكْرٌ is respect for entire humankind; it is for higher

level of humanity. It is not that if the people being addressed oppose it; if they do not accept it: then its system will fail; that its message will not succeed. This is definitely not the case. It is not for just the people being addressed and for only that time. The Quran is for the whole humankind for all time. Since humankind will be there until the Day of Judgment, so will be the Quran's message.

Dear friends! If the Prophethood was still continuing then period of another Prophet might have begun; and maybe this might have been directed to another people, another country, and another group. But the end of the Prophethood means that no more Prophets are going to come. Then, only conveying the message to people remains now. That message is the Quran: It is complete, unchangeable, and protected by Allah. No more Prophets are going to come now who will bring another message. If your people, O Prophet, do not accept it by adopting it to establish a system of life, then nothing bad will happen to this system. The Quran has mentioned in many places that another people will adopt and implement it by replacing you. And those people will not be like you. That is, this replacement does not mean another people like you will be substituted instead of you: وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ

"And if you turn away [from Him], He will cause other people to take your place, and they will not be the likes of you!" (47:38).

The result of Iman and righteous deeds Rule over the Earth

Governments that acquire power on the basis of the sword rule over the people by subjugation and exploitation, and the next one that comes in is generally more ruthless than the previous one. But the government that is established on the basis of the Quran is called "Istikhlaaf-fil- Ardh" and, is the result of Iman and righteous deeds; that government and that people will be better than those it replaces and who get destroyed due to their intransigence and transgression. This nation who replaces the transgressing nation will be better for humanity. The Quran says that this sequence of substitution of one people by better people will continue till the Day of Judgment.

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

Allah has promised those of you who have attained to Iman and do righteous deeds that, of a certainty, He will cause them to accede to power on earth, even as He caused [some of] those who lived before them to accede to it; and that, of a certainty, He will firmly establish for them the Deen which He has been pleased to bestow on them; and that, of a certainty, He will cause their erstwhile state of fear to be replaced by a sense of security [seeing that] they obey Me [alone], not ascribing divine powers to aught beside Me. But all who, after [having understood] this, choose to deny the truth - it is they, they who are truly iniquitous! (24:55)

The pathetic condition of Muslim governments

This is a fact that is repeated by Muslims ad nauseam: the population of Muslims in the world is very large; that there are more than 40 (more than 50 now) sovereign independent Muslim countries now. But all of them are dependent on other countries; their condition is pitiful; they are dependent for everything on others. That is, they are under double slavery: the people are under the subjugation of their rulers, and those rulers are slaves to superpowers. There is no Muslim country or a Muslim government that could, even according to ordinary standard, be counted among superpowers. Every calamity that comes befalls on them. They are not able to do anything. They find themselves completely helpless and impotent. At the most they go the UNO and get some toothless resolution passed. Real ones which have some teeth are immediately vetoed by the veto powers. That is how they return home with those empty begging bowls they carry all the time. This thing, that Islam is not there with any of them, is not for me to say. I do not give fatwas. It is as clear as the Sun.

One practical test

The Quran has said: This is such an obvious and practical test that there is no place for any argument in this. This is not an abstract talk. This is not a problem of philosophy that requires arguments and debate to figure out whether they are dominating or not; that they are Muslim or not. Since we ourselves admit that all these non-Muslims are dominating us then only two things are possible: Either Allah has told wrong (*Ma'Aadhallah*) that non-Muslims will never dominate Muslims. But we see and

admit ourselves that non-Muslims are dominating Muslims. Then would you believe then that Allah is wrong? But Allah said that no one is more truthful in promise than Him. Then, we have to accept that His promise is true. Then only thing possible when He said that "non-Muslims will never dominate Muslims" is that we are not Momins, and that is the reason non-Muslims are dominating us. No third conclusion is possible. But dear friends! No one accepts this conclusion because this way to remain born Muslims and to die as Muslim is very easy. Nothing needs to be done. Who wants to get out of this "Heaven" which comes so easily?!

Begging bowl

Allama Iqbal has said: Be happy! Enjoy the paradise that you have received by begging!!Muslims have been told that they can get heaven simply for the sake of Allah. Here also, whatever Muslims receive is the result of begging –they go everywhere carrying the begging bowl. For the Hereafter as well, they beg for heaven as bakhshish; they beg for Allah's forgiveness. It is always on our lips and we feel proud to beg for Jannah as bakhshish. But the Quran clearly tells that those who will be given Jannah will be given as result their deeds and actions (and definitely not by begging):

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ

It is they who are destined for paradise; therein to abide as a reward for all that they have done(46:14). You have *earned* this paradise because of your righteous *deeds* and you will *not* be driven out of this paradise as Adam was. This is because Adam received that paradise as a gift (bakhshish) not because his deeds. And as a result he made one mistake and he was driven out of it.

***Jannah* earned by blood and sweat**

Dear friends! This *Jannah* they have received, Allah immediately told that you will not be driven out of because you have earned it with your blood, sweat, and tears. Allah says that We have sold it to you and you have paid for it through your blood and We are very honest trader. What We have sold (i.e., *Jannah*) We will never take it

back. خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ means always, forever. When *Jannah* is bought like this way then it *is* forever.

This Quran is ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ. This does not mean that "it is limited to those who are born in Muslim families and they will only constitute the Muslim Ummah. It will not be outside of it". This is not the case. You know that at many places in the Quran has come: O who you call yourselves Muslims! Believe in Allah (4:136). So, the Quran is demanding us, Muslims, to believe. And its demand is justified. Have we ever thought about these things and accepted to be Muslims after due thought and understanding? But the Quran demands *this*. It addresses those who call themselves Muslims and directly asks them: O who you *call* yourselves Muslims and are under the false impression that you *are* Muslims! You have to acquire Iman like the way the Prophet has (2:137)!! But we have gone so far from this that we even translate Muslim as Muslaman. The word "Musalman" has not come in the Quran. In the Quran only the words "Muslim" or "Momin" have come. It says that whatever you might understand of yourselves, believe in Allah; acquire Iman in Allah.It does not accept our Iman since we did not become Muslim by acquiring Iman. It is okay that we are so-called Muslims as a symbol for a nation. But this is not being Momin in accordance with the Quran. The thing that was told that "this is a fact that any non-Muslim can never dominate you" then that was told about Momin. Even today these born Muslims, these people-type Muslims, if they could acquire Iman in accordance with the Quran's requirement then one would see in reality that no non-Muslim group can dominate Muslims, because then they and Allah would be on one side and all the rest of them on the opposite side.

Dear friends! Surah Al-Qalam is finished today. The next Dars will begin with Surah Al-Haaqqa.

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

O our Sustainer! Accept our humble efforts because you are fully aware of what we speak and what is hidden in our hearts. (2:127)